مکتبہ ابن کثیر

GOLD TOUCH

225, 45 Bellasis Road, (J.B.B. Marg)
Shop No. 7, Nagpada, Mumbai-400008

بکھرے موتی

﴿جلد پنجم﴾

انتخاب و ترتیب:

حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری

صفحات: ۲۶۰ سائز: 23x36/16 قیمت: -/۷۵

BIKHREY MOTI

(Part V)

Compiled by:

Hazrat Maulana Muhammad Younus Palanpuri

Pages: **260** Ist Edition: **2006**

Price: **Rs. 75/-**

225, 45, Bellasis Road (J.B.B. Marg)
Shop No. 7, Nagpada, Mumbai-400008

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998

Printed at: **Farid Enterprises, Delhi-2**

Laser Typesetted at: **Abdul Tawwab, Frontech Graphics, 9818303136, 9871907860**

فہرست مضامین

❑ ❑ ❑

تقریظ

مفسرِ قرآن، محدث کبیر، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور شارح حجۃ اللہ البالغہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

''بکھرے موتی'' میں جناب مکرم مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری نے گلہائے رنگ رنگ چن کر حسین گلدستہ تیار کیا ہے۔ یہ کتاب مولانا زید مجدہم کا کشکول ہے جس میں آپ نے قیمتی موتی اکٹھا کئے ہیں۔ یہ ایک حسین دسترخوان ہے جس پر انواع واقسام کے لذیذ کھانے چنے گئے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں تفسیری فوائد ونکات ہیں، حدیثی نصائح وارشادات بھی ہیں۔ دعوتی اور تبلیغی چاشنی لئے ہوئے صحابہ اور بعد کے اکابر کے واقعات بھی ہیں جن سے دل جلد اثر پذیر ہوتا ہے۔ نیز ایسی دُعائیں بھی شاملِ کتاب کی گئی ہیں جو گونہ عملیات کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ اس طرح کتاب بہت دلچسپ بن گئی ہے۔

نیز مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند کی نظرثانی نے اس کی اعتباریت میں اضافہ کیا ہے، گویا کتاب میں چار چاند لگائے ہیں۔ اس لئے اُمید ہے کہ کتاب لوگوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور اُمت کو اس سے فیض یاب فرمائیں۔ والسلام

کتبہ
سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۱۶/صفر ۱۴۲۶/ہجری

تعارف و تبصرہ

از: حضرت مولانا شمس الحق صاحب ندوی زید مجدہم

مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری، دعوت وتبلیغ کے نامور خطیب وواعظ مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری (جنہوں نے اپنی پوری عمر دعوت وتبلیغ کے لیے وقف فرمادی تھی، جو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے خاص تربیت یافتہ تھے، اور حضرت جی کی وفات کے بعد تو بڑے اجتماعات کو عموماً مولانا ہی خطاب فرماتے تھے، مولانا کی تقریر بڑی مؤثر اور عام فہم ہوتی تھی، دُعا بھی طویل فرماتے تھے، مولانا یونس صاحب انہیں) کے فرزند ارجمند ہیں اور مولانا کی وفات کے بعد اپنے وقت کا بڑا حصہ مرکز نظام الدین میں گزارتے ہیں، مولانا کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت وخلافت کا شرف بھی حاصل ہے جس کی وجہ سے حضرت کی تصنیفات کا بھی ذوق وشوق کے ساتھ مطالعہ فرماتے ہیں، بڑے اجتماعات میں شرکت کا پورا اہتمام رہتا ہے جس وقت یہ سطریں لکھی جارہی ہیں، دو اہم اجتماعات میں شرکت کے بعد اس وقت یعنی ۹ر ذی الحجہ کو عشق وسرمستی کے عالم میں عرفات میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حج مبرور نصیب فرمائے یہ ایک دور افتادہ کی دُعا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

مولانا اپنی تقاریر میں احادیث شریفہ اور تقاریر اور بزرگوں کے تذکروں میں مذکور مؤثر واقعات وحکایات اور نصائح وحکم کو بیان کرتے اور سامعین کے دلوں کو گرماتے اور دینی غیرت وحمیت کو جگاتے ہیں۔ مولانا عرصہ سے ایسے مؤثر واقعات تعلیمات اور بعض ضروری مسائل وفتاویٰ کی بیاض بھی تیار کرتے جاتے ہیں، جو واقعی بکھرے موتیوں کا بڑا خوبصورت ودلکش ہار ہے، جو پڑھنے والے کے دل کو کھینچتا ہے اور روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے، خصوصاً رمضان المبارک میں مولانا موصوف کا تراویح کے بعد ممبئی میں دو جگہ وعظ اور تفسیر قرآن پاک کرنے کا معمول ہے، جس کا سلسلہ ۱۲ بجے رات تک جاری رہتا ہے اور اختتام گلوگیر آواز میں طویل دُعا پر ہوتا ہے، لوگوں نے دور دور کنکشن لے رکھے ہیں جس سے گھروں میں مستورات بھی شوق کے ساتھ مولانا کے مؤثر وعظ کو سنتی ہیں، ان تقریروں اور بیان میں مولانا انہیں بکھرے موتیوں کو موقع ومناسبت سے زینت بیان وتقریر بناتے جاتے ہیں، جو اَب کتابی شکل میں آ گئے ہیں، ان بکھرے موتیوں کا مطالعہ بڑا مفید اور دل کو گرمانے والا ہے، زبان وبیان آسان ورواں ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

(تعمیر حیات، ۲۵ر جنوری ۲۰۰۵، صفحہ ۲۶)

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَمَّا بَعْدُ:

مولانا محمد یونس صاحب پالن پوری، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہٗ کے بڑے صاحب زادہ ہیں، موصوف نے سنہ ۱۳۹۳ھ ہجری مطابق سنہ ۱۹۷۳ء میں مظاہر علوم سہارنپور سے علومِ متداولہ سے فراغت حاصل کی ہے، طالب علمی کے زمانہ سے آپ کا محبوب مشغلہ اسلاف و اکابر کی کتابوں کا مطالعہ اور پسندیدہ باتوں کو کاپی میں محفوظ کرنا ہے۔

علوم متداولہ سے فراغت کے بعد ایک طویل عرصہ تک والد محترم کے زیر سایہ دعوت وتبلیغ کے کام میں شب و روز لگے رہے، اور والد محترم کے اوصاف و کمالات کو جذب کرتے رہے، جن حضرات نے حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہٗ کے بیانات سنے ہیں اور اُن کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اس بات کی کھلے دل سے گواہی دیں گے کہ مولانا محمد یونس صاحب زیدمجدہم اخلاق و عادات اور اوصاف وکمالات میں عمر ثانی ہیں۔

دعوت وتبلیغ کے کام سے مولانا زیدمجدہم جو دلچسپی رکھتے ہیں وہ أَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے، اور رمضان المبارک میں تراویح کے بعد ممبئی میں موصوف کے جو بیانات ہوتے ہیں ان سے آپ کی علومِ قرآن کے ساتھ مناسبت عیاں ہے۔ ہزاروں آدمی اپنے گھروں میں کنکشن صرف مولانا کے بیانات سننے کے لئے رکھتے ہیں۔ اس طرح مردوں کے ساتھ مستورات بھی آپ کے بیانوں سے خوب استفادہ کرتی ہیں۔

دوسری طرف مولانا زیدمجدہم اُن پسندیدہ باتوں کو جو آپ طالب علمی کے زمانہ سے اب تک منتخب ومحفوظ فرما رہے ہیں ''بکھرے موتی'' کے نام سے شائع فرما کر پوری اُمت مسلمہ کو فیض پہنچا رہے ہیں،

بلاشبہ یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے، جو خوش قسمت اس کو دیکھتا ہے، ختم کئے بغیر دم نہیں لیتا۔ یہ کتاب صحابۂ کرام، ائمۂ عظام اور بزرگانِ دین کے عبرت آمیز واقعات، پریشان حال لوگوں کے لئے مجرب وظائف اور نبوی نسخوں، تبلیغی اور اصلاحی بیانوں اور عمدہ نصیحتوں کا حسین گلدستہ ہے۔

اس کتاب کے چار (۴) حصے ''فرید بکڈپو دہلی'' سے شائع ہو چکے ہیں۔ اب پانچواں حصہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے، سابقہ حصوں کی طرح اس حصہ میں بھی مولانا نے عبرت آمیز واقعات، نہایت مفید مضامین اور کارآمد باتیں جمع کر دی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمت کے لئے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائے اور موصوف کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد امین پالن پوری

خادم حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

۱۰ر محرم الحرام سنہ ۱۴۲۷ھ ہجری

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

(ایک عاشق کا خط اور اس کا جواب)

پاک دامنی کی لذت گناہ کی لذت سے زیادہ ہے

خط:

میری ....

خط تو اُنہیں لکھا جاتا ہے جو کسی منزل پہ ہوں۔ تم کو خط کی کیا ضرورت تم تو میرے دل میں ہو۔ جانے کیا ہواؤں نے لکھ دیا درختوں پر سارے پتے لگتے ہیں مجھ کو تمہارے خط جیسے۔ تمہارا تصور ہی کافی ہے، تمہاری جدائی میں۔

تمہارے ساتھ فلموں میں بہت کام کیا۔ تمہاری ہر فلمی ادائیں ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہیں۔ اب تو سب ادائیں مجھے بالکل اصلی محسوس ہوتی ہیں اور کسی کروٹ چین نہیں آ رہا ہے۔ تمہارے بنا زندگی بے معنی سی لگتی ہے۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا ہے۔ تمہاری ہر ادا ہر چیز مجھے اپنی جان سے پیاری لگتی ہے۔

آگے کا احوال خط میں لکھنا ممکن نہیں۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے پیار کے خط کو جیب میں رکھ کر خودکشی کر لوں گا اور تمہارا نام ساری دنیا کے اخباروں میں آئے گا، جس سے تمہاری بدنامی ہوگی۔ میری موت اور تمہاری بدنامی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے ''ہم دونوں کا ملاپ۔''

فقط: ....

جوابِ خط

انسان بعض اوقات ایسی غلطیاں کر بیٹھتا ہے جو پوری زندگی کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ عورت کسی نامحرم مرد سے اپنے ذاتی معاملات پر باتیں کرنی شروع کر دے۔ اس کی ابتدا کتنے ہی خلوص پر مبنی کیوں نہ ہو اس کی انتہا ہمیشہ بری ہوتی ہے۔ بعض لڑکیاں اپنے ماں باپ سے باتیں کرنے میں دشواری محسوس کرتی ہیں نہ ہی کوئی ایسی بہن ہوتی ہے جو راز دار بن سکے۔ لہٰذا وہ اپنے کسی کزن سے یا سہیلی کے بھائی سے یا محلے دار لڑکے سے یا کلاس فیلو سے بات کر بیٹھتی ہے۔ مرد بڑی فراخدالی سے اس کی بات سنتے ہیں اس کی مدد کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ اس لڑکی میں دلچسپی لینا بھی شروع کر دیتے ہیں۔ شروع میں دونوں فریقین کو اس بات چیت میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ دونوں میں ناجائز تعلقات کی صورت بن جاتی ہے۔ آج کل کے نوجوان لڑکے بھولی بھالی لڑکیوں کو جال میں پھنسانے اور ان کو دانہ ڈالنے میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ عموماً لڑکیاں ناتجربہ کار ہوتی ہیں جب کہ لڑکے محبت کی پینگیں بڑھانے کا تجربہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہر نئی لڑکی کو ایسی حکمت عملی سے قریب کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اگر لڑکی انہیں دینی ذہن کی نظر آتی ہے تو اس سے نیکی اور نماز کی باتیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اس لڑکی سے کہتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے میرے دل میں نیک بننے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ اگر لڑکی کی طبیعت میں ہمدردی نظر آتی ہے تو اس کے سامنے اپنی والدہ کی سختی اور ترش روئی یا اپنی بیوی کی تلخ کلامی کا ایسا منظر پیش کرتے ہیں کہ لڑکی کو اس پر ترس آ جاتا ہے، وہ سوچتی ہے کہ اگر میں اس سے بات نہیں کروں گی تو یہ لڑکا کہیں خودکشی نہ کر لے۔ اگر لڑکی غریب نظر آتی ہے تو اس کو نوکری دلوانے یا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مشورہ دیتے ہیں اگر لڑکی ناز نخرے والی اور چنچل نظر آتی ہے تو اس کی جوتی اور کپڑوں کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں۔ کلر میچنگ کی تعریف کر کے اس کو قریب کر لیتے ہیں۔ جو لڑکی دِکھنے میں عام سی شکل وصورت رکھتی ہو اس کو کہتے ہیں کہ

تمہارے چہرے پہ سادگی کا نور نظر آتا ہے جو لڑکی عمر میں بڑی ہو جائے اس کو کہتے ہیں کہ تمہارے چہرے پہ بڑی معصومیت ہے، جو لڑکی بے وقوف نظر آئے اس کی عقلمندی کی خوب تعریفیں کرتے ہیں۔ جو لڑکی موٹی ہو اسے کہتے ہیں کہ آپ کی صحت مندی کا راز کیا ہے؟ ہمیں بھی بتائیں کہ آپ کون سے وٹامن استعمال کرتی ہیں؟ اگر کچھ اور سمجھ میں نہ آئے تو کہتے ہیں کہ میرے دل میں آپ کا بڑا احترام ہے آپ کی شرافت مجھے اچھی لگی ہے۔ غرض کوئی نہ کوئی ایسی بات کرتے ہیں جو اس لڑکی کی دکھتی رگ ہوتی ہے کہ وہ لڑکی محسوس کرے کہ مجھے بھی کوئی چاہنے والا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یقین دہانی کرواتے ہیں کہ میں عام لڑکوں کی طرح نہیں ہوں میں تو کسی سے بات ہی نہیں کرتا، پتہ نہیں کیوں میرے دل میں آپ کا بڑا مقام ہے۔ جب لڑکی بات چیت کرنے لگ جاتی ہے تو پھر آہستہ آہستہ اسے شیشے میں اُتارتے ہیں۔ اس کی تاریخ پیدائش لکھ کر رکھتے ہیں تا کہ اسے مبارکباد دی جا سکے۔ خط کے ذریعہ رابطہ ہو تو ایسے ایسے اشعار لکھتے ہیں کہ پڑھنے والا دل تھام کے رہ جائے، کبھی کہتے ہیں کہ آپ مجھے کھانا کھاتے وقت یاد آئیں، مجھے سوتے وقت یاد آئیں، آپ مجھے نماز پڑھتے وقت یاد آئی، اگر لڑکی میں شرافت نظر آئے تو کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے سیدھے رستے پر ڈالا ہے میں تو گندگی کے دلدل میں پھنس رہا تھا۔ اگر لڑکی نمازی ہو تو کہتے ہیں کہ میرے لیے دعا کرنا مجھے تمہاری دعاؤں کی قبولیت پر بڑا یقین ہے۔ اگر لڑکی میں کوئی بیماری نظر آئے تو اس کے علاج معالجے کی باتیں کرتے ہیں۔

مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات کی جائے جو لڑکی کو اچھی لگے اور وہ بھی کوئی بات کرے تو پھر بات سے بات بڑھے۔ جب محسوس کرتے ہیں کہ لڑکی نے بے جھجک بات کرنا شروع کر دی ہے تو بات چیت کے دوران کبھی کبھار کہتے ہیں کہ آپ مجھے بتائیں کہ آپ مجھے کیوں اچھی لگتی ہیں؟ جب دیکھتے ہیں کہ اس نے مسکرا کر دیکھا تو کہتے ہیں پلیز آپ مجھے یاد نہ آیا کریں، میری نیت صاف ہے ایسا نہ ہو کہ مجھے آپ کو بھلانا مشکل ہو جائے۔

کبھی کبھی بات چیت کے دوران کہتے ہیں، حیرانگی کی بات ہے کہ میری اور آپ کی پسند اور ناپسند بہت ملتی ہے۔ کبھی کبھی یہ کہتے ہیں کہ آپ بہت عقلمند ہیں۔ آپ نے فلاں مشورہ بڑا ہی اچھا دیا۔ کبھی صاف لفظوں میں کہہ دیتے ہیں کہ میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں، میرا مقصد برا نہیں ہے۔ ان تمام ہتھکنڈوں کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی ہم سے بات چیت کرے، ہنسی مذاق کرے اور اپنی ذاتی زندگی کی باتیں کھولنا شروع کرے۔ جب لڑکی نے اپنی ذاتی باتیں شروع کیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پرندہ اب جال میں پھنس جائے گا۔

دوسرے مرحلے میں اس لڑکی کو یقین دہانی کرواتے ہیں کہ میری نیت بری نہیں ہے۔ مگر مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔ زبان سے کہتے ہیں I Love You مگر دل میں کہتے ہیں I Need You (مجھے آپ کی ضرورت ہے)

جب دیکھتے ہیں کہ ایک قدم اور آگے بڑھایا جا سکتا ہے تو اس لڑکی کو اپنے فرضی اور جھوٹے عشق کی داستان سناتے ہیں۔ اگر وہ غور سے سن لے تو اسے اپنے خواب سناتے ہیں کہ آج رات میں نے خواب میں ایک لڑکی سے یہ کیا وہ کیا۔ اگر اس پر بھی اچھا رویہ ظاہر کرے تو اس سے فلموں، ڈراموں اور گانوں کے بارے میں تبادلہ خیالات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پوچھتے ہیں تمہیں کون سا گانا پسند ہے مجھے تو یہ پسند ہے، تمہیں کون سی فلم پسند ہے مجھے تو یہ پسند ہے۔ غرض جب اس قسم کی ناشائستہ باتیں کھلے عام ہونے لگیں تو سمجھتے ہیں کہ اب کامیابی کے امکان روشن ہیں۔

تیسرے مرحلے میں اس لڑکی سے کہتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے پاس بیٹھ کر آمنے سامنے جی بھر کے باتیں کروں، میرے لیے کچھ وقت اور موقع نکالو، کبھی کہتے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ سمندر کا کنارہ ہو اور ہم دونوں باتیں کرتے کرتے دور چلے جائیں۔ گرمی کے موسم میں کہتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ٹھنڈی سڑک ہو اور ہم دونوں ننگے پاؤں اس پر چلتے چلتے تھک جائیں تو اسی پر سو جائیں چاہے کوئی ہمارے اوپر سے ٹرک ہی گزار دے۔

سردی کے موسم میں کہتے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ ہم ایک چارپائی پر بیٹھے باتیں کرتے رہیں اور ہمارے ہاتھ پاؤں کمبل میں لپٹے ہوں۔ اگر لڑکی ایسی بات چیت کو خوشی خوشی سن لے تو سمجھتے ہیں کہ منزل قریب ہے۔

چوتھے مرحلے میں اس لڑکی سے تنہائی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور تھوڑی گفتگو کے بعد کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر گلے مل لو، ایک مرتبہ اپنی آنکھوں کا بوسہ لینے دو، آئندہ میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اگر اجازت مل گئی تو ہر ملاقات میں کھلتے کھلتے بالآخر زنا کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اس لئے بندہ کی رائے ہے کہ اللہ کے احکامات پورا کیجئے اور استخارہ مشورہ کرکے قدم اُٹھائے۔ اللہ کی رضا کا طالب محمد یونس

سب سے پہلے نمازِ فجر حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کی

ہم جو فجر کی نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں دو رکعتیں فرض پڑھتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اُتارا، اس وقت دنیا میں رات چھائی ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام جنت کی روشنی سے نکل کر دنیا کی اس تاریک اور اندھیری رات میں دنیا میں تشریف لائے، اس وقت ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بڑی تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ دنیا اتنی تاریک ہے، یہاں زندگی کیسے گزرے گی؟ نہ کوئی چیز نظر آتی ہے، نہ جگہ سمجھ میں آتی ہے کہ کہاں ہیں اور کہاں جائیں؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ چنانچہ خوف محسوس ہونے لگا، اس کے بعد آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی اور صبح کا نور چمکنے لگا صبح صادق ظاہر ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کی جان میں جان آئی اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے سورج نکلنے سے پہلے دو رکعتیں بطور شکرانہ ادا فرمائیں۔ ایک رکعت رات کی تاریکی جانے کے شکرانہ میں ادا فرمائی اور ایک رکعت دن کی روشنی نمودار ہونے کے شکرانے میں ادا فرمائی۔ یہ دو رکعتیں

اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور اقدس ﷺ کی امت پر فرض فرما دیا (عنایہ) اس سے اندازہ لگائیں کہ یہ فجر کی نماز کتنی اہم ہے۔

سب سے پہلے ظہر کی نماز حضرت ابرہیم علیہ السلام نے ادا کی

اسی طرح ظہر کی چار رکعت جو ہم ادا کرتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادا فرمائی تھیں اور اس وقت ادا فرمائی تھیں جس وقت وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے امتحان میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ایک رکعت تو اس امتحان میں کامیابی پر شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی یا اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ کی مدد سے میں اس مشکل امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری رکعت اس بات کے شکرانہ میں ادا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض میں جنت سے ایک مینڈھا اتار دیا چونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی انعام تھا اس لیے اس کے شکرانے کے طور پر دوسری رکعت ادا فرمائی۔

تیسری رکعت اس شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر براہِ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّآ اِبْرَاهِيْمُ O قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O (صٰفّٰت، آیت ۱۰۵)

''یعنی ہم نے آواز دی: اے ابراہیم بلاشبہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

اس خطاب کے شکرانے میں تیسری رکعت ادا فرمائی۔ چوتھی رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا صابر بیٹا عطا فرمایا، جو اس سخت امتحان کے اندر بھی نہایت صابر اور متحمل رہا اور صبر کا پہاڑ بن گیا۔ اگر وہ متزلزل ہو جاتا تو میرے لیے اللہ کا

حکم پورا کرنا دشوار ہو جاتا۔ چنانچہ خواب دیکھنے کے بعد بیٹے ہی سے مشورہ کیا کہ اے بیٹے، میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ تم غور کرو، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بیٹے نے جواب دیا ''ابا جان، آپ کو جو حکم ملا ہے وہ کر گزریئے، عنقریب انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' ایسا صابر اور متحمل بیٹا ملنے کے شکرانے میں چوتھی رکعت ادا فرمائی۔ اس طرح یہ چار رکعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر کے وقت بطور شکرانے کے ادا فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی امت پر فرض فرما دیں۔ (عنایہ)

سب سے پہلے عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائیں

نماز عصر کی چار رکعتیں سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائیں۔ جس وقت وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ط وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ o (الانبیاء:۸۷-۸۸)

''چنانچہ انہوں نے ہمیں تاریکیوں میں پکارا کہ لا الٰہ الّا انت سبحانك انی کنتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی، اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دے دی (جو اُن کو مچھلی کے پیٹ میں ہو رہی تھی) اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیتے ہیں۔''

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز ادا کی، اور چار رکعتیں اس لیے ادا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار تاریکیوں سے نجات عطا فرمائی تھی، ایک مچھلی کے پیٹ کی تاریکی سے، دوسرے پانی کی تاریکی سے،

تیسرے بادل کی تاریکی سے اور چوتھے رات کی تاریکی سے، ان چار تاریکیوں سے نجات کے شکرانے میں عصر کے وقت حضرت یونس علیہ السلام نے چار رکعت نماز ادا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ چار رکعت اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس ﷺ کی امت پر ان کو فرض فرما دیا۔ (عنایہ)

سب سے پہلے مغرب کی نماز حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی

مغرب کی تین رکعتیں سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا فرمائیں، اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات کوئی نامناسب کام یا کوئی لغزش، یا کوئی خلافِ ادب کام بھی ان سے ذرہ برابر سرزد ہو جائے تو اس پر بھی انہیں تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو توجہ دلائی جاتی ہے، اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ بہرحال حضرت داؤدؑ کی کسی لغزش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا اعلان فرمایا کہ "فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ" یعنی ہم نے ان کی مغفرت کر دی تو اس وقت حضرت داؤدؑ نے اس بخشش کے شکرانے میں مغرب کے وقت چار رکعت کی نیت باندھی۔ جب تین رکعت ادا فرمالیں تو اس کے بعد آپ پر اپنی لغزش کے احساس کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ اور ایسا گریہ طاری ہوا کہ اس کی شدت کی وجہ سے چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے۔ چنانچہ تین رکعت ہی پر آپ نے اکتفا فرمایا (بذل المجهود) اور چوتھی رکعت پڑھنے کی ہمت نہ رہی، یہ تین رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس ﷺ کی امت پر اُن کو مغرب کے وقت فرض فرما دیا۔

نمازِ عشاء کی فرضیت

عشاء کے وقت جو چار رکعت ہم ادا کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نماز ادا فرمائی۔ جس وقت آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال قیام کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر

واپس تشریف لا رہے تھے، اور آپ کے گھر میں سے امید سے تھیں۔ ولادت کا وقت قریب تھا۔ اور سفر بھی خاصا طویل تھا۔ اس وجہ سے آپ کو بڑی فکر لاحق تھی کہ یہ اتنا لمبا سفر کیسے پورا ہوگا؟ دوسرے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی فکر تھی، تیسرے فرعون جو آپ کا جانی دشمن تھا، اس کا خوف اور اس کی طرف سے فکر لاحق تھی۔ اور چوتھے ہونے والی اولاد کی فکر لاحق تھی۔ ان چار پریشانیوں کے ساتھ آپ سفر کر رہے تھے۔ پھر سفر کے دوران صحیح راستے سے بھی ہٹ گئے۔ جس کی وجہ سے پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا، اسی پریشانی کے عالم میں چلتے چلتے آپ کوہِ طور کے قریب اس کے مغربی اور داہنی جانب پہنچ گئے۔ رات اندھیری ٹھنڈی اور برفانی تھی، اہلیہ محترمہ کو ولادت کی تکلیف شروع ہوگئی، چقماق پتھر سے آگ نہ نکلی اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں دیکھا کہ کوہِ طور پر آگ جل رہی ہے آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا آپ یہاں ٹھریں میں کوہِ طور سے آگ کا کوئی شعلہ لے کر آتا ہوں۔
جب کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اور آپ کو بطورِ خاص ہم کلامی کی نعمت سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّآ اَتَاهَا نُوْدِیَ یَا مُوْسٰیo اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ج اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰیo (طٰہٰ آیت ۱۱ تا ۱۳)

”پھر جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو ان کو منجانب اللہ آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں آپ اپنے جوتے اتار دیں۔ اس لیے کہ آپ مقدس وادی طوی میں ہیں۔ اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ لہٰذا جو وحی آپ کی طرف بھیجی جارہی ہے۔ اس کو غور سے سنیں۔“

بہرحال، جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ انعام حاصل ہوا تو آپ کی چار پریشانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ کسی نے بڑا اچھا شعر کہا ہے:

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اس موقع پر عشاء کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان چار پریشانیوں سے نجات کے شکرانے میں چار رکعت نماز ادا فرمائی، یہ چار رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو فرض کر دیا۔ (عنایہ)

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عشاء کی نماز سب سے پہلے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی (بذل المجہود) اس لیے یہ نماز بہت اہم عمل ہے۔

(نماز کی بعض کوتاہیاں، از حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی)

ایک مچھیرے کا درد بھرا قصہ ـــــ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ ظلم سے بچئے

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الزواجر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا ہاتھ کاندھے سے کٹا ہوا تھا اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ”مجھے دیکھ کر عبرت حاصل کرو، اور کسی پر ہرگز ظلم نہ کرو۔“ میں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا میرے بھائی تیرا کیا قصہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا بھائی میرا قصہ عجیب وغریب ہے۔ دراصل میں ظلم کرنے والوں کا ساتھ دیا کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے میں نے ایک مچھیرے کو دیکھا جس نے کافی بڑی مچھلی پکڑ رکھی تھی۔ مچھلی مجھے پسند آئی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور کہا مجھے یہ مچھلی دے دو، اس نے جواب دیا میں یہ مچھلی تمہیں نہیں دوں گا کیوں کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے مجھے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنا ہے۔ میں نے اسے مارا پیٹا اور اس سے زبردستی سے مچھلی چھین لی اور اپنی راہ لی۔ جس وقت میں مچھلی کو اُٹھائے جا رہا تھا، اچانک مچھلی نے میرے انگوٹھے میں زور سے کاٹ لیا۔ میں مچھلی لے کر گھر آیا اور اسے ایک طرف ڈال دیا۔ اب میرے انگوٹھے میں ٹیس اور درد اُٹھا اور اتنی تکلیف ہونے لگی کہ

اس کی شدت سے میری نیند اُڑ گئی۔ پھر میرا پورا ہاتھ سوج گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں طبیب کے پاس آیا اور اس سے درد کی شکایت کی۔ طبیب نے کہا یہ انگوٹھا سڑنا شروع ہو گیا ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اس کو کٹوا دو، ورنہ پورا ہاتھ سڑ جائے گا۔ میں نے انگوٹھا کٹوا کر نکلوا دیا، لیکن اس کے بعد سڑاند ہاتھ میں شروع ہوئی اور درد کی شدت سے میں سخت بے چین ہو گیا اور سو نہ سکا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہتھیلی کاٹ کر نکلوا دو میں نے ایسا ہی کیا، اب درد بڑھ کر پہنچوں تک پہنچ گیا۔ میرا چین اور نیند سب اُڑ گئی اور میں درد کی شدت سے رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ کہنی سے ہاتھ الگ کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا لیکن اب درد مونڈھے تک پہنچ گیا اور سڑاند وہاں تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو پورا ہاتھ مونڈھے سے کٹوا دینا ہو گا ورنہ تکلیف پورے بدن میں پھیل جائے گی۔ اب لوگ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آخر یہ تکلیف تمہیں کیوں کر شروع ہوئی۔ میں نے مچھلی کا قصہ انہیں سنایا۔ انہوں نے کہا اگر تم ابتدا میں مچھلی والے کے پاس جا کر اس سے معافی مانگتے، اسے کہہ سن کر راضی کر لیتے اور کسی صورت میں مچھلی کو اپنے لیے حلال کر لیتے تو تمہارا ہاتھ یوں کاٹا نہ جاتا، اس لیے اب بھی جاؤ اور اس کو ڈھونڈ کر اسے خوش کرو، ورنہ تکلیف پورے بدن میں پھیل جائے گی۔ اس شخص نے کہا میں نے یہ سنا تو مچھلی والے کو پورے شہر میں ڈھونڈنے لگا۔ آخر ایک جگہ اس کو پالیا۔ میں اس کے پیروں پر گر پڑا اور انہیں چوم کر رو رو کر کہا کہ میرے آقا تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے معاف کر دو۔ اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے بتایا میں وہ شخص ہوں جس نے تم سے مچھلی چھین لی تھی پھر میں نے اس سے اپنی کہانی بیان کی اور اسے اپنا ہاتھ دکھایا۔ وہ دیکھ کر رو پڑا اور کہا میرے بھائی میں نے اس مچھلی کو تمہارے لیے حلال کیا، کیوں کہ تمہارا حشر میں نے دیکھ لیا۔ میں نے اس سے کہا میرے آقا خدا کا واسطہ دے کر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جب میں نے تمہاری مچھلی چھینی تو تم نے مجھے کوئی بددعا دی تھی۔ اس شخص نے کہا ہاں میں نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ اے اللہ یہ اپنی قوت اور زور کے گھمنڈ

میں مجھ پر غالب آیا اور تو نے جو رزق دیا اس نے مجھ سے چھین لیا اور مجھ پر ظلم کیا، اس لیے تو میرے سامنے اس پر زور کا کرشمہ دکھا۔ میں نے اسے کہا میرے مالک اللہ نے اپنا زور تمہیں دکھا دیا۔ اب میں اللہ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ کسی ظالم کی مدد ہرگز نہیں کروں گا۔ نہ کبھی خود ظلم کروں گا۔ نہ اُن کے دروازہ پر کبھی جاؤں گا اور انشاء اللہ جب تک زندہ رہوں گا اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَا تَظْلِمَنَّ اِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا فَالظُّلْمُ تَرْجِعُ عُقْبَاهُ اِلَى النَّدِمَ

جب تمہیں اقتدار حاصل ہے، کسی پر ہرگز ظلم نہ کرو کیوں کہ ظلم کا انجام ندامت اور شرمندگی ہے

تَنَامُ عَيْنَاكَ وَالْمَظْلُوْمُ مُنْتَبِه يَدْعُوا عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللهِ لَمْ تَنُمْ

تیری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور مظلوم جاگتا ہے اور تجھے بددعائیں دیتا ہے اور اللہ کی آنکھ کبھی نہیں سوتی

ایک دوسرے شاعر نے کہا ؎

اِذَا مَا الظُّلُوْمُ اسْتَوْطَأَ الْاَرْضَ مركبًا وَلَجَ غُلُوًّا فِىْ قَبِيْحِ اِكْتِسَابِهٖ

جب ظالم سوار ہو کر دھرتی کا سینہ روندتا ہے اور ہر کرتوت میں حد سے گزر جاتا ہے

فَكِلْهُ اِلٰى صَرْفِ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ سَيُبْدِىْ لَهٗ مَا لَمْ يَكُنْ فِىْ حِسَابِهٖ

تب تم اسے زمانے کی گردش کے حوالے کر دو، کیوں کہ زمانہ اس کے سامنے وہ چیز کھول کر رکھ دے گا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگی۔

(معاشرے کی مہلک بیماریاں، صفحہ ۳۷۶)

اللہ کے حکم سے مؤمنین کے دلوں سے تمام غموں کو نکال دینے والا عجیب فرشتہ

حضرت عروہ بن رویمؒ کہتے ہیں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے تھے بہت بوڑھے ہوگئے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں موت آجائے اس لیے یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میری عمر بڑی ہوگئی اور میری ہڈیاں پتلی اور کمزور ہوگئیں لہٰذا مجھے اپنے پاس اُٹھالے۔ حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن میں دمشق کی مسجد میں تھا وہاں مجھے ایک نوجوان نظر آیا جو بہت حسین وجمیل تھا اس نے سبز جوڑا پہنا ہوا تھا اس نے کہا آپ یہ کیا دعا کرتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا اے میرے بھتیجے! پھر میں کیا دعا کروں؟ اس نے کہا یہ دعا کریں اے اللہ عمل اچھے کردے اور مجھے موت تک پہنچادے۔ میں نے کہا اللہ تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ریبائیل (وہ فرشتہ) ہوں جو مؤمنوں کے دلوں سے تمام غم نکالتا ہوں۔ (حیاۃ الصحابہ، جلد ۳، صفحہ ۶۰۸)

بعض وحشی جانوروں کا آنحضرت ﷺ کی عزت کرنا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک جنگلی جانور تھا جب آپ ﷺ باہر چلے جاتے تو اِدھر اُدھر دوڑتا اور کھلاڑیاں کرتا اور جہاں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی آہٹ محسوس کرتا بس فوراً ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھ جاتا اور ذرا آواز نہ نکالتا اس خیال سے کہ مبادہ آپ ﷺ کو تکلیف ہو۔

(مسند احمد، ابویعلی، البدایہ والنہایہ، ترجمان السنۃ جلد ۴، صفحہ ۱۵۰)

فائدہ: جہاں تک الفاظ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحشی جانور ہرن تھا۔ جس میں تربیت کا اثر بہت کم ہوتا ہے ہاں بعض اور حیوانات ایسے ہیں جن میں تدریب وتربیت

سے کچھ نہ کچھ تہذیب کی حرکات پیدا ہو جاتی ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ اس وقت عرب میں بالعموم ہرن کی تربیت و تہذیب کرنے کی عادت نہ تھی بالخصوص بیت نبوت میں حیوانات کی تربیت کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے پر جو جانور گھروں میں گھل مل جاتے ہیں وہ عام طور پر اپنے مالک کو دیکھ کر خوشی میں کودنے اچھلنے لگتے ہیں مگر یہاں صورت اس کے برعکس تھی، یعنی جب آپ ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو وہ کودتا اُچھلتا اور جب وہ آپ ﷺ کو دیکھ لیتا تو فوراً خاموش ہو کر ایک گوشہ میں جا بیٹھتا۔ (ترجمان السنۃ، جلد۴، صفحہ ۱۵۰)

حاکم کے شر سے بچنے کا مجرب نسخہ

اگر کسی شخص کو کسی حاکم، بادشاہ یا کسی سے بھی شر کا خطرہ ہو یا یہ سمجھے کہ اگر میں اس کے پاس جاؤں گا تو میری جان خطرے میں پڑ جائے گی تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ ڈر اور شر سے بچنے کے لیے یہ عمل کرے۔ عمل یہ ہے کہ ایسے شخص کے پاس جانے سے پہلے یہ کلمات پڑھے کٓھٰیٰعٓصٓ - حٰمٓ - عٓسٓقٓ پھر ان تینوں کلمات کے دس حرفوں کو اس طرح شمار کرے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے شروع کرے اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرے۔ جب اس ترکیب سے شمار کر لے تو دونوں ہاتھ کی مٹھیاں بند کر لے اور دل میں سورۂ فیل پڑھے۔ جب "تَرْمِیْهِمْ" پر پہنچے تو اس لفظ "تَرْمِیْهِمْ" کو دس مرتبہ پڑھے اور ہر مرتبہ ایک انگلی کھولتا جائے۔ ایسا کرنے سے انشاء اللہ مامون رہے گا۔ (حیاۃ الحیوان جلد۳، صفحہ ۲۸۰)

مندرجہ ذیل آیاتِ سکینہ دل و دماغ کے سکون کیلئے پڑھ کر دم کریں

(۱) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O البقرۃ ۲۴۸

(۲) ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذَالِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ O التوبہ ٢٦

(۳) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O التوبہ ٤٠

(٤) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O الفتح ٤

(٥) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا O الفتح ١٨

(٦) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا O الفتح ٢٦

دل رو رہا ہے میرا مگر آنکھ تر نہیں

اس راز کی کسی کو بھی مطلق خبر نہیں — دل رو رہا ہے میرا مگر آنکھ تر نہیں
غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر — واللہ ان کے ہاتھ میں منفع و ضرر نہیں
جب میں ہوں ان کے ذکر کی دولت سے مالا مال — کیوں غم ہو جو اپنے پاس لعل و گوہر نہیں
تسکین خود وہ آ کے مجھے دے رہے ہیں آج — صد شکر ہے آہ میری بے اثر نہیں
ہم ہیں مریض عشق نہ ہوگی ہمیں شفا — تدبیر تیرے بس میں کوئی چارہ گر نہیں
سننا ہے آپ کو تو سنئے شوق سے جناب — یہ داستانِ عشق مگر مختصر نہیں
اُلفت میں ان کی عقلوں کو جس نے بھلا دیا — دونوں جہاں میں پھر اسے خوف و خطر نہیں

احمد کس کے عشق میں دیوانہ ہو گیا
وہ بے خبر بھی ہو کر مگر بے خبر نہیں

تیری رحمت تو ہر ایک پر عام ہے

جب سے ہونٹوں پہ یارب تیرا نام ہے — تیرے بیمار کو کافی آرام ہے
تو نے بخشا ہمیں نورِ اسلام ہے — ہم پہ تیرا حقیقی یہ انعام ہے
جس کو تیری خدائی سے انکار ہے — بادشاہت میں رہ کر بھی ناکام ہے
روٹھتا ہے زمانہ اگر روٹھ جائے — راضی کرنا تجھے بس میرا کام ہے
آسمانوں کی دنیا میں ہے محترم — تیری خاطر جو دنیا میں بدنام ہے
اپنے منکر کو بھی رزق دیتا ہے — تیری رحمت تو ہر ایک پر عام ہے

ہاں قدم کا اٹھانا میرا کام ہے
پار بیڑا لگانا تیرا کام ہے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ٥

کا جملہ اس امت کی خصوصیت ہے اور اس کے بہت سے فضائل ہیں

مندرجہ ذیل احادیث غور سے پڑھیے

(۱) حضرت سعد ابن جبیر فرماتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے کی ہدایت صرف اس امت کو کی گئی ہے اس نعمت سے پہلی امتیں مع اپنے نبیوں کے محروم تھیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ایسے موقع پر یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ کہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں غم نے آپ کو نابینا کر دیا تھا اور زبان خاموش تھی۔ مخلوق میں سے کسی سے شکایت و شکوہ نہیں کرتے تھے۔ غمگین رہا

کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۱۰، فی تفسیر قولہ تعالیٰ یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ

(۲) ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نعل مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا آپ ﷺ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بھی مصیبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو جو امر ناگوار پہنچتا ہے وہی مصیبت ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابو اُمامہ سے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جایا کرے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا کرو۔ کیوں کہ یہ بھی مصیبت ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۱، صفحہ ۲۶۶، تحت قولہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ الخ)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت اِنَّآ لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کی تلافی فرمادیں گے اور اس کی آخرت اچھی کردیں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلے اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔

درمنثور، بحوالہ انوار البیان تحت قولہ تعالیٰ الَّذین اِذا اصابتھم مصیبة الخ

(۵) مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میرے خاوند ابو سلمہ ؓ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے، آج تو میں نے ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے: اَللّٰھُمَّ أَجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا یعنی خدایا مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت

ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کرلیا۔ جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گذر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے اپنے ہاتھ دھوڈالے، کھال رکھ دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گدی پر بٹھادیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اوّل تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں، ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہوجائے اور خدا کے یہاں عذاب ہو، دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو، ایسی بیجا غیرت اللہ تعالیٰ دور کردے گا اور عمر میں مَیں بھی کچھ چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمایا۔ فالحمدللہ

(۶) مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گذر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ لے تو مصیبت پر صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔

(۷) ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابوسنانؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ابوطلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے

نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا، بتلا اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں خدایا تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بَيْتُ الحمد رکھو۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۱، صفحہ ۲۲۸، فی تفسیر

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اَلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o

اولاد سے گناہ وخطا ہو جائے تو قطع تعلق کے بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرنا چاہیئے

برادرانِ یوسف علیہ السلام سے جو خطا اس سے پہلے سرزد ہوئی وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی مثلاً اوّل جھوٹ بول کر والد کو اس پر آمادہ کرنا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح کے لیے بھیج دیں۔ دوسرے والد سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی، تیسرے چھوٹے معصوم بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ۔ چوتھے ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پرواہ نہ کرنا۔ پانچویں ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا۔ چھٹے ایک آزاد انسان کو جبراً اور ظلماً فروخت کرنا، یہ ایسے انتہائی اور شدید جرائم تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور دیدہ دانستہ یوسف علیہ السلام کو ضائع کیا ہے تو اس کا مقتضی بظاہر یہ تھا کہ وہ ان صاحبزادوں سے قطع تعلق کر لیتے یا ان کو نکال دیتے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا نہیں بلکہ وہ بدستور والد کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ انہیں کو مصر سے غلہ لانے کے لیے بھیجا اور اس پر مزید یہ کہ دوبارہ پھر ان کے چھوٹے بھائی کے متعلق والد سے عرض معروض کرنے کا موقع ملا اور بالآخر ان کی بات مان کر چھوٹے

صاجبزادے کو بھی ان کے حوالے کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اولاد سے کوئی گناہ وخطا سرزد ہوجائے تو باپ کو چاہیے کہ تربیت کر کے ان کی اصلاح کی فکر کرے، اور جب تک اصلاح کی امید ہو قطع تعلق نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور بالآخر وہ سب اپنی خطاؤں پر نادم اور گناہوں سے تائب ہوئے ہاں اگر اصلاح سے مایوسی ہوجائے اور ان کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں دوسروں کے دین کا ضرر محسوس ہو تو پھر قطع تعلق کر لینا انسب ہے۔ (معارف القرآن جلد ۵، صفحہ ۱۰۴)

رات کے وقت گھر میں سورۂ واقعہ پڑھ لیجیے فاقہ نہیں آئے گا

حضرت ابوظبیہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمایا آپ کو کیا شکایت ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اپنے گناہوں کی شکایت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں آپ کے لیے طبیب کو نہ بلا لاؤں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا طبیب ہی نے (یعنی اللہ ہی نے) تو مجھے بیمار کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں آپ کے لیے بیت المال سے عطیہ نہ مقرر کر دوں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ عطیہ آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کو مل جائے گا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فاقہ کا ڈر ہے؟ میں نے اپنی بیٹیوں کو کہہ رکھا ہے کہ وہ ہر رات میں سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا اس پر کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ (لہٰذا عطیہ کی ضرورت نہیں)۔

(حیاۃ الصحابہ، جلد ۲، صفحہ ۷۷۲)

خدا کی خصوصی قدرت کا مظاہرہ ایک بچہ کا گہوارہ میں بولنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گود کے بچوں میں سے صرف تین ہی بچے بولے ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور ایک جریج عابد والا لڑکا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جریج ایک عابد شخص تھا۔ اس نے اپنی عبادت کے لیے ایک کوٹھری بنا رکھی تھی۔ وہ ایک دن اس میں عبادت کر رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے پاس آئی اس نے پکارا اے جریج! جریج نے خیال کیا، کیا کروں اے اللہ! ادھر خدا کی نماز کا لحاظ، اُدھر ماں کا لحاظ۔ پھر نماز ہی کو ترجیح دی اور اسی میں لگا رہا۔ ماں واپس چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو ماں پھر اس کے پاس آئی اور وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے پکارا اے جریج! اس نے دل میں سوچا یا اللہ! کیا کروں، اِدھر ماں اُدھر نماز پھر نماز ہی میں لگا رہا، ماں کے بلانے پر نہیں گیا پھر تیسرے دن ماں آئی اور اس نے پکارا اے جریج! اس نے دل میں سوچا اے اللہ! اِدھر ماں اُدھر نماز کیا کروں؟ پھر بھی نماز ہی کی طرف متوجہ رہ گیا بس ماں نے جھنجھلا کر بددعا کی اے اللہ! اس کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک کہ اس کو پہلے فاحشہ عورتوں سے پالا نہ پڑے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل میں جریج کی عبادت اور زہد کا شہرہ اُڑنے لگا۔ ایک بدکار عورت تھی جس کا حسن و جمال ضرب المثل تھا۔ اس نے بنو اسرائیل سے کہا اگر تم کہو تو میں جا کر اسے لبھاؤں۔ یہ کہہ کر وہ ایک دن اس کے پاس آئی۔ جریج نے اس کی طرف نظر تک نہ اٹھائی، وہ فاحشہ عورت کھسیا کر جذبۂ انتقام میں بھر گئی اور ایک گڈریئے کے پاس گئی جو اسی عبادت خانے میں سویا کرتا تھا اور اس گڈریئے کو اپنے اوپر قابو دے دیا اور اس کے ساتھ منہ کالا کیا۔ اس سے حمل ٹھہر گیا۔ جب اس نے بچہ جنا تو اس نے جریج سے انتقام لینے کے لیے مشہور کیا کہ یہ لڑکا جریج سے ہوا ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے اس کو عبادت خانے سے نیچے گھسیٹ لائے، اس کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور لگے اسے مارنے (کہ عابد بن کر حرام کاری کرتا ہے) جریج نے پوچھا بتاؤ تو مجھے کیوں مار رہے ہو؟ کیا بات

ہے؟ انہوں نے کہا کہ تو نے اس فاحشہ کے ساتھ زنا کیا اور اس نے تیرے نطفہ کا بچہ جنا ہے۔ جریج نے کہا اچھا تو وہ بچہ کہاں ہے؟ لوگ وہ بچہ لے کر آئے۔ اس نے کہا ذرا مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ اجازت ملی۔ اس نے نماز پڑھی پھر وہ جریج اس بچہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس بچے کے پیٹ میں انگلی چبھو کر بولا اے بچے! تو سچ سچ بتا تیرا باپ کون ہے؟ تو وہ چند دن کا بچہ قدرتِ خدا سے بولا کہ فلاں گڈریا۔ یہ کرامت دیکھ کر اب وہی لوگ جریج کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اسے تبرک بنا کر چھونے لگے۔ کہنے لگے اب ہم تمہارا عبادت خانہ سونے کا بنائے دیتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں یہ سب رہنے دو جیسا وہ مٹی کا پہلے تھا ویسا ہی بنا دو تو لوگوں نے ویسا ہی بنا دیا۔ (بخاری و مسلم بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۴، صفحہ ۳۵۵)

خدا کی خصوصی قدرت کا مظاہرہ ایک اور بچہ کا گہوارہ میں بولنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار عمدہ گھوڑے پر اچھے لباس اور اچھی شکل و صورت والا گزرا۔ ماں نے دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو اسی سوار جیسا شاندار بنانا۔ بچہ نے ماں کا پستان چھوڑ کر اس سوار پر ایک نظر ڈالی اور صاف الفاظ میں کہا نہیں اے اللہ مجھے اس سوار جیسا مت بنانا یہ کہہ کر پھر پستان چوسنے اور دودھ پینے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سناتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی (سبابہ) جس طرح اپنے دہن مبارک میں ڈالی اور بچہ کے دودھ پینے کو بتانے کے لیے جس طرح خود اس انگلی کو چوسا وہ منظر اس وقت تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ قصہ سنایا کہ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے اور اسے مارتے ہوئے سامنے سے گذرے اور کہہ رہے تھے کہ کمبخت تو نے زنا کیا اور چوری کی اور وہ بیچاری کہے جا رہی تھی کہ بس میرا سہارا اللہ ہی ہے اور وہ کیسا اچھا کام بنانے والا ہے۔ ماں نے یہ ذلت کا منظر دیکھ کر شفقت سے

بچہ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ میرے بچہ کو اس لونڈی (لڑکی) کی طرح نہ بنانا۔ بچہ نے پھر دودھ چھوڑ کر ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور صاف صاف کہا کہ اے اللہ مجھے اسی جیسا بنایئے گا۔ اس پر ماں بیٹوں میں حجت ہونے لگی۔ ماں بولی جب ایک آدمی اچھی حالت میں گزرا تو میں نے تیرے لیے دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو ایسا شاندار بنانا تو اس پر تو یوں کہنے لگا کہ نہیں یا اللہ مجھے ایسا نہ بنانا اور اب جو لوگ ایک لڑکی کو ذلت کے ساتھ پکڑے مارتے ہوئے جارہے ہیں اور میں نے یہ دعا کی کہ یا اللہ میرے بچہ کو ایسا نہ بنانا تو تو یوں کہنے لگا کہ اے اللہ مجھے ایسا ہی بنانا یہ کیا بے عقلی ہے؟ تب وہ بچہ پھر بولا سنو! بات یہ ہے کہ وہ آدمی بڑا ظالم جابر تھا تو میں نے کہا اے خدا مجھے اس کی طرح ظالم جابر نہ بنایئے گا اور بیچاری یہ لڑکی! لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے زنا بھی کیا ہے، تو نے چوری بھی کی ہے مگر اس بیچاری نے نہ چوری کی ہے نہ زنا کیا ہے، تو میں نے کہا اے اللہ مجھے ایسا ہی مظلوم بے گناہ بنایئے گا۔ (بخاری و مسلم، بحوالہ ترجمان السنۃ جلد ۴، صفحہ ۳۵۷)

اُنیس (۱۹) اہم نصیحتیں

(۱) محنت سے گھبرانے والے کبھی ترقی نہیں کرتے۔
(۲) وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو حقیقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔
(۳) محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔
(۴) حقیقی کامیابی اپنی قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔
(۵) وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔
(۶) اپنے وطن کو جان سے عزیز رکھو اور ہر وقت اپنے ہم وطنوں کی خدمت میں لگے رہو۔
(۷) کوئی ملک اس وقت تک غلام نہیں ہوسکتا جب تک اس کے اپنے لوگ غداری نہ

کریں کیوں کہ اکیلا لوہا جنگل سے ایک لکڑی نہیں کاٹ سکتا جب تک لکڑی اس سے مل کر کلہاڑی نہ بنے۔

(۸) زبان ایک ایسا درندہ ہے کہ اگر اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو پھاڑ کھائے۔

(۹) نیک عمل کرو تمہاری عمر میں برکت ہوگی۔

(۱۰) جس گھر میں تعلیم یافتہ نیک ماں ہوتی ہے وہ گھر تہذیب اور انسانیت کی یونیورسٹی ہے۔

(۱۱) انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

(۱۲) دنیا کی عزت مال سے ہے اور آخرت کی عزت اعمال سے ہے۔

(۱۳) خوش کلامی ایک ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔

(۱۴) خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھو۔

(۱۵) اپنا اندازِ گفتگو نرم رکھو، کیوں کہ لہجہ کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۶) کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی سے نیکی کرنے میں تاخیر نہ کرو۔

(۱۷) انسان کے اچھے اعمال ہی اسے حسن عطا کرتے ہیں۔

(۱۸) قیامت کے دن میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزن دار چیز جو رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔

(۱۹) دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے انسان جو مرتبہ حاصل کرتا ہے وہی درجہ وہ اچھے اخلاق سے حاصل کر لیتا ہے۔

گنہگار قابل رحم ہیں نہ کہ قابل حقارت

اَنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُکْثِرُوا الْکَلَامَ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَتَقْسُوْ

قُلُوْبُكُمْ فَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِيَ بَعِيْدٌ مِّنَ اللهِ وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ وَلَا تَنْظُرُوْا فِيْ ذُنُوْبِ النَّاسِ كَاَنَّكُمْ عَبِيْدٌ فَاِنَّمَا النَّاسُ مُبْتَلاًى وَمُعَافًى فَارْحَمُوْا عَلٰى اَهْلِ الْبَلَاءِ وَاحْمَدُوا اللّٰهَ عَلَى الْعَافِيَةِ.

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا دوسرے کلام کی کثرت نہ کرو ورنہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے لیکن چونکہ (یہ قرب اور بُعد ایک امر معنوی ہے اس لیے) تمہیں اس کا علم بھی نہ ہوگا اور لوگوں کے (یعنی اہل ذنوب کے) گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا تم ہی خدا ہو (یعنی اس طرح نظر نہ کرو جس کا منشار کبر و تحقیر ہو) اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھو کہ گویا تم بندے خطاوار ہو (اور یہ) اس لیے کہ لوگ مبتلا (معاصی بھی) ہیں اور اہل عافیت بھی (یعنی اہل طاعت و حفاظت بھی) پس تم کو چاہیے کہ اہل بلار پر رحم کرو اور اپنی عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ (جمع الفوائد، جلد ۲، صفحہ ۲۷۸)

حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اپنی آبرو کا عجیب صدقہ کیا

حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے ساتھ جانے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا تو رات کو نکلے اور کافی دیر تک رات میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر رو پڑے اور عرض کیا اے اللہ! آپ نے جہاد میں جانے کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے پھر آپ نے نہ مجھے اتنا دیا کہ میں اس سے جہاد میں جاسکوں اور نہ اپنے رسول کو سواری دی جو مجھے (جہاد میں جانے کے لیے) دے دیتے۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان نے مال یا جان یا عزت کے بارے میں مجھ پر ظلم کیا ہو وہ معاف کر دیتا ہوں اور اس معاف کرنے کا اجر و ثواب تمام مسلمانوں کو صدقہ کر دیتا ہوں۔ اور پھر یہ صبح لوگوں میں جا ملے۔ حضور ﷺ نے فرمایا آج رات کو صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ تو کوئی نہ کھڑا ہوا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ کھڑا

ہو جائے۔ چنانچہ حضرت علبہؓ نے کھڑے ہو کر حضور ﷺ کو اپنا سارا واقعہ سنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارا یہ صدقہ مقبول خیرات میں لکھا گیا ہے۔

حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علبہ بن زید بن حارثہؓ، حضور ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جو اس کے پاس تھا وہ لانے لگا۔ حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! میرے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اے اللہ! تیری مخلوق میں سے جس نے بھی میری آبروریزی کی ہے میں اسے صدقہ کرتا ہوں (یعنی اسے معاف کرتا ہوں) حضور ﷺ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے یہ اعلان کیا کہ کہاں ہے وہ آدمی جس نے گزشتہ رات اپنی آبرو کا صدقہ کیا؟ اس پر حضرت علبہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا صدقہ قبول ہو گیا۔
(حیاۃ الصحابہ، جلد ۱، صفحہ ۵۸۲)

مسلمانوں کے پستی کے اسباب

جیسے جیسے دنیا ترقی کرتی جا رہی ہے ویسے ہی اخلاقی قدروں کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ جس طرح آج کا انسان تہذیب و تمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے اس سے خطرہ یہ ہے کہ معاشرہ تباہی و بربادی کی گہری کھائی میں گر جائے گا۔ جس طرف بھی نگاہ دوڑائیے تو شرافت و اخلاق کا جنازہ نکلا جا رہا ہے۔ فیشن کے نام پر عریانیت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ تعلیم کے حصول کو مشکل سے مشکل بنانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ عشرت گاہوں کو آباد کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں کو نذرِ آتش کیا جا رہا ہے۔ ہماری ماؤں اور بہنوں کی عصمتوں کو تار تار کیا جا رہا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا مسلمانوں کے اندر طاقت کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے؟ کیا مسلمان صرف نام کا مسلمان رہ گیا ہے؟ کیا مسلمانوں کا ضمیر مردہ ہو گیا ہے؟ کیا

مسلمانوں کے اندر ایمانی طاقت بالکل ناپید ہوگئی ہے؟ کیا ہم پھر سے جہالت کے دور میں زندگی گذار رہے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ آج کے اس پرفتن دور میں ہم نے سب کچھ اس دارِ فانی (دنیا) کو سمجھ لیا ہے۔ آج مسلمانوں کے اندر ایمان کی دولت کم اور مال کی دولت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ آج ہم نے مخلوق سے محبت کو اپنے اوپر لازم کرلیا اور خالق کو یکسر فراموش کردیا۔ ایمانی قوت ہی مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور اسی سے ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی ملے گی۔ چند کھنکتے ہوئے سکوں اور ہرے نوٹوں کے عوض ایمان کو بیچ دینا مسلم معاشرے کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب ان سارے کاموں میں مسلمان پیش پیش رہیں گے تو بھلا بتائیے کہ آخر کیسے ہم دنیا و آخرت میں کامیاب رہیں گے؟ کس طرح مسلم معاشرہ عروج تک پہنچے گا؟ کیسے مسلمان دشمنانِ اسلام کا خاتمہ کرسکے گا؟ کس طرح ایمان کو بچایا جائے گا؟ مسلمان تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ سے باطل تھرتھرا اُٹھتا ہے اس کے قدم جہاں بھی پڑتے ہیں اخوت و محبت کا دریا رواں ہوجاتا ہے۔ اس مسلمان کا ہر کردار غیروں کے لیے مشعل راہ ہے اور اسی مسلمان کے لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

ایک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا جائے
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہوجائے

اس لیے مسلمانو! ہوش میں آؤ! اپنے آپ کو پہچانو اور غیروں کو اپنے اخلاق و کردار سے اپنی طرف راغب کرو۔ مسجدوں کو آباد کرو، قرآن کی تعلیمات کو عام کرو، نیک اعمال کرو، بداعمالیوں سے پرہیز کرو۔ اللہ کے مقدس رسول ﷺ کی سنتوں پر خود بھی عمل کرو اور دوسروں کو بھی تلقین کرو۔ برائیوں سے بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ غربا و مساکین کی اعانت کرو، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرو۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کو ادا کرنے میں تساہلی سے کام مت لو۔

اگر ہم نے مندرجہ بالا باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی تو یہ ہمارے لیے باعث نجات ہے اور ہماری دنیا و آخرت کے سنورنے کی بشارت ہے۔ ورنہ اگر ہم عمل کرنے کے بجائے اسی راہ پر گامزن رہے تو ہماری تباہی و بربادی کے ذمہ دار ہم خود ہوں گے۔ پھر ہمارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ پھر سے مسلمانوں کے خون سے خدا کی زمین کو رنگین کیا جائے گا، مسجدوں کو نذرِ آتش کیا جائے گا، ماؤں بہنوں کی عصمت کو پامال کیا جائے گا اور ہم مسلمان صرف تماشائی بن کر رہ جائیں گے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!
تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

رسول پاک ﷺ نے فرمایا ''سب سے اچھے انسان وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔'' یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے مسلمان ہونے کی شرط بھی نہیں رکھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق کا درجہ کس قدر بلند ہے۔ آج افراتفری کے اس دور میں والدین کو بچوں کی طرف توجہ دینے کے لیے وقت نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کو وہ اسکول پر اور اساتذہ پر چھوڑ دیتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔

ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے، اسی لیے اخلاق و آداب کا درس دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر ماں خوش اخلاق ہے تو بچے بھی خود بخود خوش اخلاق ہو جائیں گے۔ پھر بھی کچھ باتوں کی عادت ڈالنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ کسی سے ملاقات ہو تو سلام کے لیے پہل کرنا، بڑوں کا احترام اور ان کی عزت کرنا، چھوٹوں سے شفقت اور نرمی سے پیش آنا، کسی نے کوئی احسان کیا ہو تو شکر گذار ہونا۔ اگر کسی نے کوئی چیز طلب کی تو اسے دینا۔ اگر آپ کے پاس وہ چیز موجود نہ ہو تو خوش اخلاقی سے معذرت کرنا، چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رکھنا

وغیرہ۔ بظاہر یہ تمام چیزیں معمولی سی لگتی ہیں مگران تمام چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان خوش اخلاق بنتا ہے اور خوش اخلاق انسان ہر کسی کا دل جیت لیتا ہے۔ زبان کے ذریعے انسان سب سے زیادہ خوش اخلاق بن جاتا ہے اور اسی زبان سے بدکلامی، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ کر کے بداخلاقی کے سب سے نچلے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ زبان انسان کو شاہی تخت پر بٹھا سکتی ہے اور زبان ہی انسان کو گدھے پر سوار کرا سکتی ہے۔ اکثر گناہ کبیرہ زبان کے ذریعہ ہی سرزد ہوتے ہیں اور جھوٹ ان میں سرفہرست ہے۔

اگر بچہ خوش اخلاق ہوگا تو علم حاصل کر کے اونچے سے اونچے مدارج طے کرتا چلا جائے گا۔

کیوں کہ اس کی زبان اس سلسلے میں اس کی مددگار ثابت ہوگی۔ کئی مرتبہ دولت سے جو کام نہیں ہو پاتا وہ خوش کلامی سے ہو جاتا ہے۔ خندہ پیشانی سے ملنے والا انسان ہر دلعزیز ہوتا ہے اور مارکیٹنگ کی دنیا میں اس طرح کے لوگوں کی کافی مانگ ہے آج کا دور ہی مارکیٹنگ کا دور ہے اور اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو خوش اخلاقی کو اپنانا بہت ضروری ہے۔

زندگی کے ہر مرحلے میں خوش اخلاقی مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ ایک بچہ جسے والدین نے بہتر تربیت اور خوش اخلاقی کے جذبے سے سرفراز کیا ہے۔ وہ بچہ صبح اُٹھتے ہی بزرگوں کو سلام کرے گا اور بزرگ اسے دعائیں دیں گے۔ پھر وہ ضروریات زندگی کے لیے میٹھی زبان سے گفتگو کرے گا تو جو اس سے چھوٹے ہیں وہ بھی اس کی تقلید کریں گے۔ خوش اخلاق بچہ نہ کبھی کھلونوں کے لیے ضد کرے گا نہ دوستوں سے لڑے گا اور نہ بری عادتیں اپنائے گا۔ اسکول میں وہ استاد کی خاص توجہ کا مستحق ہوگا۔ غرض وہ جہاں جہاں اور جس کسی سے مخلصانہ برتاؤ کرے گا اور خوش اخلاقی سے پیش آئے گا۔ لوگ اس کے خاندان اور اس کے والدین کے بارے میں مثبت رائے قائم کریں گے۔

لڑکیوں میں خوش اخلاقی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جن گھروں کی لڑکیوں میں خوش

اخلاقی اور سلیقہ مندی ہوتی ہے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور اسی خوش اخلاقی کی بدولت والدین کے لیے ان کی لڑکیوں کے رشتہ بہت جلد اچھے گھرانوں میں طے پاتے ہیں۔

سلیقہ منداور خوش اخلاق عورت اپنے شوہر اور سسرال والوں کے دلوں میں ایسا مقام بنا لیتی ہے جس کی مثالیں لوگ دیتے ہیں۔خوش اخلاق اور سلیقہ مند بیوی کا شوہر جب تھکا ماندہ گھر لوٹتا ہے تو وہ اپنی رفیق حیات کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اپنی تھکن بھول جاتا ہے اور اسے ایک الگ طرح کا سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

مگر اب یہ تمام باتیں تو اگلے وقت کی داستان بن کر رہ گئی ہیں۔ازدواجی زندگی گھریلو ناچاکیوں سے پر ہیں۔ایک طوفان بدتمیزی ہے جس کا ہر گھر شکار ہے۔کچھ بداخلاقی ہم نے اس جادو کے پٹارے سے سیکھ لی ہے جسے ہم ٹی وی کہتے ہیں اور کچھ بداخلاقیاں ہمیں بھاگتی دوڑتی زندگی نے سکھادی ہیں۔پہلے لوگ جب کسی کے گھر جاتے تھے تو ساتھ چھوٹا سا تحفہ بھی لے جاتے تھے کچھ کھانے پینے کی اشیاء یا بچوں کے لیے کھلونے وغیرہ۔اس طرح نہ صرف تعلق، اپنائیت اور تال میل پروان چڑھتا تھا۔بلکہ بچے بھی کھلونے یا چاکلیٹ پا کر خوش ہوجایا کرتے تھے۔آج یہ اخلاق کم ہی کم نظر آتے ہیں۔تحفہ تو چھوڑیئے ہم اپنے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول بھی میزبان کو تحفتاً دینے کے روادار نہیں ہیں، جس پر کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔

آج ہمارے اخلاق اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ ہم اپنے مذہب کو اپنے اخلاق کی بدولت بدنام کررہے ہیں۔لہجے میں سختی تو جیسے ہماری پہچان بن چکی ہے۔

آج اپنے اخلاق ہی ایسے ہیں جن کی بدولت ہم بہت ساری کامیابیوں سے محروم ہیں۔انسان کی کامیابی اور اس کی اپنی شناخت کا معاملہ اس کے اخلاق پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنا اور اپنے بچوں کا نئے سرے سے جائزہ لینا بہت ضروری ہے تاکہ ہم اور ہمارے بچے خوش اخلاقی کو اپنا کر دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہوں گے۔

نافرمان اولاد اور والدین کے حقوق

انسان پر جو حقوق واجب ہیں ان میں ایک حقوق العباد بھی ہے۔ اس میں سب سے پہلا حق رسول ﷺ کا ہے۔ پھر آپ ﷺ کے بعد نسبتی اور خونی رشتہ کا درجہ آتا ہے۔ جس میں ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بھائی بہن اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کا درجہ ہے۔ لیکن جب ہم معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ایسے بہت کم لوگ جو والدین کے حقوق کا خاطر خواہ خیال رکھتے ہیں۔ والدین کے حقوق کا خیال تو درکنار ہم تو والدین کی نافرمانی اور حکم عدولی میں ذرہ برابر بھی شرم وندامت محسوس نہیں کرتے۔ بعض تو ایسے ہیں جو اپنی بیوی کے سامنے والدین کی بے عزتی اور ان سے زبان درازی کرتے ہیں اور افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اسے بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

شرعی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اللہ رب العزت اور اس کے محبوب سرکار دو عالم ﷺ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ادب و احترام، حسن وسلوک کے حقدار والدین ہی ہیں۔ قرآن شریف میں اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسن وسلوک، خوش اسلوبی، فرمانبرداری، احسان شناسی اور شکر گذاری کا بھی درس دیا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں والدین کا رتبہ کیا ہے اور ان کا مقام کیا ہے، بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر والدین کی کسی تکلیف دہ بات سے اولاد کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے تو انہیں اُف تک کہنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار اور خدمت گذار کوئی بھی فرزند، جب ان کی طرف محبت سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نگاہ کے بدلے ایک حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح والدین کی نافرمان ایذا رساں اولاد کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی بھی خبر دی ہے۔

کتنی خوش نصیب ہے وہ اولاد جن کے والدین باحیات ہیں اور وہ اپنے والدین کی نگہبانی اور خدمت میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ جو اپنے والدین کی معمولی سی تکلیف کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو خوشی خوشی پورا کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں، ایسی اولاد کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

دورِ حاضر میں اولاد دنیاوی تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدہ یا ملازمت پانے کے بعد نہ صرف اپنے عزیز و اقارب اور خاندان سے کٹنے لگیں ہیں بلکہ جن والدین نے شب و روز محنت مشقت کر کے لکھایا پڑھایا وہی انہیں اب حقیر لگنے لگے ہیں۔ والدین کی معمولی غلطی، غیر ضروری کلمات یا حرکات جو بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے قدرتی ہوتے ہیں، اب اولاد کو برگشتہ کرنے لگے ہیں، ماں باپ ان کی ناراضگی کا سبب بننے لگے ہیں یہ اور اس طرح کی دوسری وجوہات کی بنا پر والدین کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بعض اولادیں اپنے بیوی بچوں تک کو ان سے ملنے سے منع کر دیتے ہیں۔ بہت سی اولادیں ایسی بھی ہیں جو محض اس لیے والدین سے رشتہ منقطع کر دیتے ہیں کہ جاہل اور کم پڑھے لکھے ماں باپ کی وجہ سے ان کی ماڈرن تہذیب اور اعلیٰ طرز کے رکھ رکھاؤ میں بگاڑ پیدا نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ وہ نہیں چاہتے کہ والدین ان کی ذاتی زندگی میں دخل انداز ہوں۔ اس لیے وہ انہیں اپنے سے دور رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ادھر ماں باپ اپنے پوتا، پوتیوں کی یاد میں پریشان ہو کر اپنی زندگی کے آخری ایام بڑی کسمپرسی میں گذارتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دردناک پہلو ہے جس سے گھبرا کر دوسری قوموں نے بوڑھوں کا ہاسٹل بنا رکھا ہے، جہاں عمر کے آخری لمحوں میں انہیں وہاں تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر بوڑھے بس اپنی موت کا انتظار کرتے نظر آتے ہیں اور ایک دن ایسا آتا ہے کہ اولاد کی شدید مصروفیات کی وجہ سے وہ دوسروں کے کندھوں کے سہارے اس دارِ فانی (دنیا) سے رخصت ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کے تعلیم یافتہ، نئی تہذیب کے دلدادہ، فیشن پرست نوجوانوں کو اپنے والدین بوجھ نظر آتے ہیں۔ جس نے نہ جانے کن کن تکلیفوں، منتوں، اپنے ارمانوں اور خواہشات کا گلا گھونٹ کر اولاد کو پڑھایا لکھایا اور قابل انسان بنانے میں اپنی پوری پونجی اور طاقت لگا دی، لیکن اس کا بدلہ سوائے حقارت اور نفرت کے کچھ نہ ملا۔

اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی ماں باپ اپنی اولاد کو برا کہنا گوارا نہیں کرتے بلکہ تعریف ہی کرتے ہیں، کیوں کہ اولاد ان کے جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ بھلے ہی یہ ٹکڑا کتنا ہی فریبی، احسان فراموش، خودغرض اور مفاد پرست کیوں نہ ہو۔ ماں باپ کی نظر میں وہ معصوم اور بے گناہ ہی ہوتا ہے۔ اولاد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک مدت ہوتی ہے۔ اگر وہ اس حد سے تجاوز کر جائے تو ماں کے دکھے دل سے نکلی ایک آہ بددعا بن کر ہنستے کھیلتے، پھلے پھولے گلستاں کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ والدین چاہے کتنے ہی غریب، مفلس، کمزور لاچار کیوں نہ ہوں وہ ہمیشہ اپنی محنت و مشقت سے اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ مگر آج معاشرے کا حال یہ ہے کہ ہے کہ پانچ بچے مل کر بھی اپنے والدین کو سہارا دینے میں آنا کانی کرتے ہیں۔ کئی کئی بہانوں سے انہیں اپنے سے الگ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان پانچ بچوں کے لیے ان کے والدین ایک بہت بڑا مسئلہ بلکہ بہت بڑا بوجھ اور مصیبت ہوتے ہیں۔

اسلام میں جب والدین کا اتنا بڑا رتبہ اور مقام ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ (وہ چاہے کیسے بھی ہوں) حسن وسلوک سے پیش آئیں تا کہ جنت کے مستحق بن سکیں۔ ماں باپ کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کریں اور ان کی مرضی اور مزاج کے خلاف کوئی ایسا کام نہ کریں جو ان کی ناراضگی کا سبب بنے۔ خاص طور پر اس وقت ان کا زیادہ خیال رکھیں جب وہ بڑھاپے کی وجہ سے کمزور اور مزاج کے چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت والدین کی خدمت کرنا اور انہیں ہر طرح کا آرام پہنچانا ہی اصل خدمت ہوگی۔

ایک اہم نصیحت ــــ مجلس میں بیٹھ کر دین کی باتیں سنئے

دین کی مجالس میں جولوگ دور بیٹھ کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ آواز تو یہاں بھی آ رہی ہے۔ یہیں سے بیٹھ کر سن لیں۔ وہ حضرات یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ آواز کوتو نہ فرشتے گھیر تے ہیں اور نہ ہی آواز پر مغفرت کا وعدہ ہے۔ اس لیے وہ حضرات دور بیٹھ کر اپنا نقصان نہ کریں۔ مجلس کے ساتھ مل کر بیٹھ جائیں۔ ہمارے دور میں دین کی خدمت کرنے والی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی بڑی بڑی چار جماعتیں ہیں (۱) تبلیغی جماعت (۲) علماء وطلباء کی جماعت (۳) مشائخ واہل اللہ کی جماعت (۴) دینی کتابیں لکھنے والے مصنفین کی جماعت۔ ان چاروں دینی خدمات کے نام یہ ہیں (۱) تبلیغ (۲) تدریس (۳) تزکیہ (۴) تصنیف وتالیف، ان چاروں ناموں کے شروع میں تاء ہے جو ان چاروں میں اتحاد کی طرف اشارہ کرتا ہے، دوسرا اشارہ تاء کے دونوں نقطوں سے اس طرف ہے کہ اگر ان چاروں سلسلوں میں اتحاد ہوگا تو پوری امت اوپر آئے گی جیسے تاء کے نقطے اوپر ہیں، اور اتحاد پیدا کرنے کے لیے تقویٰ اور تعاون کی تاء کو بھی اپنے اندر شامل کرنا ہوگا جو اہل تقویٰ کی صحبت ہی سے حاصل ہوگا جیسے صحابہ کو جو بھی ملا صحبت نبی ﷺ سے ملا اور مشائخ امت صحبت شیخ ہی سے مشائخ بنے، پھر ان کے فیوض سے امت کو خوب فائدہ پہنچا، اللہ تعالیٰ ان چاروں سلسلوں میں ایک دوسرے کی قدر دانی، محبت وعظمت عطا فرماوے، باہم تنافر وتباغض (جو عدم اخلاص کی بڑی علامت ہے) اس سے ان چاورں سلسلوں کو بچائے۔ آمین یارب العالمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

زید بن اسلمؒ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہوگیا۔ بدبخت نے آپ علیہ السلام کو غلہ نہ

دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھرلی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے۔ گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے۔ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہؑ اٹھیں، بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پُر تھیں۔ کھانا پکا کر تیار کیا۔ آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ پوچھا اناج کہاں سے آیا؟ کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔ اس نانہجار بادشاہ کے پاس خدا تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ بھیجا اس نے آکر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا، تیسری مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا، اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے کر آتا ہوں۔ نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آڈٹا، ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، یہ خدائی فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے وہیں ہلاک ہو گئے، ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا۔ انہیں مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا۔ ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی، اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا۔ ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا۔ یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ (اللہ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے) آمین۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ا، صفحہ ۳۵۶)

پانچ (۵) اہم نصیحتیں

(۱) حقیر سے حقیر پیشہ ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔

(۲) ہر اچھا کام پہلے ناممکن ہوتا ہے۔
(۳) نفس کی تمنا پوری نہ کرو، ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔
(۴) جس نعمت کی قدر نہ کی جائے وہ ختم ہو جاتی ہے۔
(۵) اس راستے پر چلو جو بندے کو خالق سے ملا دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا عجیب خواب اور اس کی عجیب تعبیر

مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا، ایک شخص آیا جس کا چہرہ خدا ترس تھا۔ دو ہلکی رکعتیں نماز کی اس نے ادا کیں، لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں، جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا، باتیں کرنے لگا۔ جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا۔ کہا سبحان اللہ! کسی کو وہ نہ کہنا چاہیے جس کا علم اسے نہ ہو، ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں بآسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا۔ اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رہنا۔ بس اس حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے حضور ﷺ سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا گلشن باغِ اسلام ہے اور ستون، ستونِ دین ہے اور کڑا عروۂ وثقٰی ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۳۵۴)

دینار کو دینار کیوں کہتے ہیں (وجہ تسمیہ)

ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینارؒ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لیے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین، ناحق لو تو نار یعنی آتشِ دوزخ۔ تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۴۲۳

جیسی نیت ویسا اللہ کا معاملہ

(مندرجہ ذیل قصہ بخاری شریف میں سات جگہ آیا ہے)

مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار اُدھار مانگے۔ اس نے کہا گواہ لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ کہا ضمانت لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی ضمانت کافی ہے۔ کہا تو نے سچ کہا۔ ادائیگی کی میعاد مقرر ہوگئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے۔ اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا۔ جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا۔ پھر منھ بند کر دیا اور خدا تعالیٰ سے دعا کی ''اے پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور اس پر وہ خوش ہوگیا، گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھ ہی کو رکھا۔ وہ اس پر بھی خوش ہوگیا، اب جب کہ وقت مقررہ ختم ہونے کو آیا تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈالتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے۔'' پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے

تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا، وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آجانا چاہیے تو وہ بھی دریا کے کنارے آکھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس طرف نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا۔ کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر خالی تو جا ہی رہا ہوں آؤ اس لکڑی کو لے چلوں پھاڑ کر سکھا لوں گا جلانے کے کام آئے گی۔ گھر پہنچ کر جب اسے چیرا تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں۔ گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں۔ وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے، اسے بھی اُٹھا کر پڑھتا ہے۔ پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ لیجیے آپ کی رقم، معاف کیجیے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے؟ اس نے کہا میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی۔ اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ۔ آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکلاً علی اللہ دریا میں ڈالا تھا اسے خدا تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۳۷۷)

خیانت کرنے والے کا عبرتناک انجام

(۱) ابن جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اُٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئے گا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں خدا کے پاس تیرے کچھ کام نہیں آسکتا میں تو پہنچا چکا ہوں۔

(۲) اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اُٹھائے ہوئے آئے گا جو بول رہا ہو گا یہ بھی

کہے گا کہ اے محمد ﷺ! اے محمد ﷺ! میں کہوں گا میں تیرے لیے خدا کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تو تبلیغ کر چکا تھا۔

(۳) میں اسے بھی پہچانتا ہوں جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئے گا جو ہنہنا رہا ہوگا، وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دوں گا کہ میں تو پہنچا چکا تھا آج کچھ کام نہیں آ سکتا۔

(۴) اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لیے ہوئے حاضر ہوگا اور کہہ رہا ہوگا یا محمد ﷺ! یا محمد ﷺ! میں کہوں گا میں خدا کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا میں تو تجھے بتا چکا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۴۷۳)

عقلمند لوگ کون ہیں؟

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِo (سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۹۰)

’’آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت والی مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمانوں میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرے رہنے والے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ اور جنگل اور درخت اور گھانس اور کھیتیاں اور پھل اور مختلف قسم کے جاندار اور کانیں اور الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے وغیرہ، کیا یہ سب آیاتِ قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری خدا تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے۔ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و

علیم خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں۔ اسی لیے آخر میں فرمایا کہ ان میں عقلمندوں کے لیے کافی نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں۔ جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے ان میں کے اکثر باوجود خدا کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ:

(۱) وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے خدا کا نام جپا کرتے ہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی۔ یعنی کسی حالت میں ذکر خدا تعالیٰ سے غافل مت رہو۔ دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر خدا کرتے رہا کرو۔ یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظر دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت علم و حکمت اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) حضرت شیخ سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ ”گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں خدا تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لیے وہ باعث عبرت ہے۔“

(۳) حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ”ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے۔“

(۴) حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ ”غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا۔“

(۵) حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں "غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا" اور بسا اوقات یہ شعر پڑھتے

اِذَا الْمَرْأُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ ☆ فَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ

یعنی جس انسان کو باریک بینی کی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

(۶) حضرت عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں "خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور وفکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو۔"

(۷) لقمان حکیم کا یہ حکمت آمیز مقولہ بھی یاد رہے کہ "تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو تو اسی قدر غور وفکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں گے۔"

(۸) حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں "جس قدر مراقبہ زیادہ ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اور جتنی سمجھ زیادہ ہوگی اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم نصیب ہوگا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔"

(۹) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے کہ "اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور خدا کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا افضل عبادت ہے۔"

(۱۰) حضرت مغیث اسودؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ "لوگو! قبرستان ہر روز جایا کرو، تاکہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے، اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کر دو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اس کے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ" اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں

یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

(۱۱) حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں ''ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور ایک کوڑا ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا، اے راہب! تیرے پاس اس وقت دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان، ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ۔''

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ آواز نکالتے اور فرماتے ''اے اُجڑے ہوئے گھرو! تمہارے رہنے والے کہاں ہیں؟'' پھر خود فرماتے ''سب زیر زمین چلے گئے، سب فنا کا جام پی چکے، صرف ذاتِ خدا کو ہمیشگی والی بقا ہے۔''

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ ''دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گذار دی لیکن دلچسپی نہ تھی۔''

(۱۴) خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں ''اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھا، تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لیے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر، اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور و فکر کر سکے۔'' بعض حکیموں کا قول ہے ''جو شخص دنیا کی چیزوں پر بغیر عبرت حاصل کیے نظر ڈالتا ہے اس غفلت کے انداز سے اس کی دل کی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔''

(۱۵) حضرت بشر ابن حارث حافیؒ کا فرمان ہے کہ ''اگر لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں۔''

(۱۶) حضرت عامر بن عبد قیسؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی غور و فکر اور مراقبہ ہے۔''

(۱۷) مسیح ابن مریم سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''ابن آدم! اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ، اپنا گھر مسجدوں کو بنالے، اپنی آنکھوں کو رونا سکھا، اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا، اپنے دل کو غور وفکر کرنے والا بنا، کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔''

(۱۸) امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رودیئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا ''میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور وفکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری اُمنگیں ختم ہوگئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے اس میں عبرت ونصیحت ہے اور وعظ وپند ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر جلد۱، صفحہ۴۹۲-۴۹۳)

حضور ﷺ کے موزے میں سانپ کا قصہ

کپڑا پہننے سے پہلے ضرور جھاڑ لیجیے

کپڑے پہننے سے پہلے ضرور جھاڑ لیجیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی موذی جانور ہو اور خدانخواستہ کوئی ایذا پہنچائے۔ نبی کریم ﷺ ایک بار ایک جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے۔ پہلا موزہ پہننے کے بعد جب آپ ﷺ نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک کوّا جھپٹا اور وہ موزہ اُٹھا کر اُڑ گیا اور کافی اوپر لے جاکر اسے چھوڑ دیا۔ موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جاپڑا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا ''ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔'' (طبرانی، آدابِ زندگی، صفحہ۲۹-۳۰)

جنت کی چادر اوڑھنے کا نبوی نسخہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے کسی ایسی

عورت کی تعزیت کی جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جنت کی چادر اُڑھائی جائے گی۔'' (ترمذی، آدابِ زندگی، صفحہ ۶۲)

مشورہ میں امانت کا رنگ ہونا چاہیے سیاست و چالاکی کا نہیں

حضور ﷺ کا اندازِ مشورہ

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''لوگوں کی آؤ بھگت، خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے خدا کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔ چنانچہ اس آیت میں بھی فرمان ہے، تو ان سے درگزر کر، ان کے لیے استغفار کر، اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر۔'' اسی لیے حضور ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے:

(۱) بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لیے مشورہ لیا اور صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑے، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمروؓ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو۔

(۲) اسی طرح اُحد کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں؟ اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہی کیا۔

(۳) اور آپ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور آپ ﷺ نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔

(۴) اسی طرح آپ ﷺ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرہ کا ہے۔ چنانچہ اسے بھی آپ ﷺ نے منظور فرما لیا۔

(۵) اسی طرح جب منافقین نے آپ ﷺ کی بیوی صاحبہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم میرے علم میں تو میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلائی والا ہی ہے اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔

غرض لڑائی کے کاموں میں بھی دیگر امور میں بھی حضور ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہیے بھلی بات کا مشورہ دے۔ (ابن ماجہ) (تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۴۷۳)

ہوائیں بھی آپس میں باتیں کرتی ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوۂ خندق کی ایک رات کو مشرقی ہوا، شمالی ہوا کے پاس آئی اور کہنے لگی چل اور حضور ﷺ کی مدد کر۔ شمالی ہوا نے کہا آزاد اور شریف عورت رات کو نہیں چلا کرتی (اس لیے میں نہیں چلوں گی) چنانچہ جس ہوا کے ذریعہ حضور ﷺ کی

مدد کی گئی وہ پُروا یعنی مشرقی ہوا تھی۔ حیاۃ الصحابہ، جلد۳، صفحہ۶۲۲

لقمان علیہ السلام لی اپنے بیٹے کو نصیحت

بیہقی کی ''شعب الایمان'' ہی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا ''اے پیارے بیٹے! میں نے چٹان، لوہے اور ہر بھاری چیز کو اُٹھایا لیکن میں نے پڑوسی سے زیادہ ثقیل کسی چیز کو نہیں پایا اور میں نے تمام کڑوی اور تلخ چیزوں کا ذائقہ چکھ لیا لیکن فقر و تنگدستی سے تلخ کوئی چیز نہیں پائی۔ اے بیٹے! جاہل شخص کو ہرگز اپنا قاصد اور نمائندہ مت بنا اور اگر نمائندگی کے لیے کوئی قابل اور عقلمند شخص نہ ملے تو خود اپنا قاصد بن جا۔''

''بیٹے! جھوٹ سے خود کو محفوظ رکھ کیوں کہ یہ چڑیا کے گوشت کے مانند نہایت مرغوب ہے۔ تھوڑا سا جھوٹ بھی انسان کو جلا دیتا ہے۔ اے بیٹے! جنازوں میں شرکت کیا کر اور شادی کی تقریبات میں شرکت سے پرہیز کر، کیوں کہ جنازوں کی شرکت تجھے آخرت کی یاد دلائے گی اور شادیوں میں شرکت دنیا کی خواہشات کو جنم دے گی۔ آسودہ شکم ہوتے ہوئے دوبارہ شکم سیر ہو کر مت کھا کیوں کہ اس صورت میں کتوں کو ڈال دینا کھانے سے بہتر ہے۔ بیٹے نہ اتنا شیریں بن کہ لوگ تجھے نگل جائیں اور نہ اتنا کڑوا کہ تھوک دیا جائے۔''

(حیاۃ الحیوان، جلد۳، صفحہ۱۵۳)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا درد بھرا خط ہارون رشید ہر نماز کے بعد پڑھتے تھے اور روتے تھے

امام ابن بلبان وغزالی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب ہارون الرشید خلیفۃ المسلمین بنے تو تمام علماء کرام ان کو مبارکباد دینے کے لیے ان کے پاس گئے، لیکن حضرت سفیان ثوری

نہیں گئے حالانکہ ہارون الرشید اور سفیان ثوری ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست تھے۔ چنانچہ حضرت سفیان کے نہ آنے سے ہارون رشید کو بڑی تکلیف ہوئی اور اس نے حضرت سفیان کے نام ایک خط لکھا جس کا متن یہ ہے:

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے

عبداللہ ہارون امیر المومنین کی طرف سے اپنے بھائی سفیان ثوری کی طرف۔

بعد سلام مسنون! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے درمیان ایسی بھائی چارگی اور محبت ودیعت کی ہے کہ جس میں کوئی غرض نہیں۔ چنانچہ میں نے بھی آپ سے ایسی ہی محبت اور بھائی چارگی کی ہے کہ اب نہ میں اس کو توڑ سکتا ہوں اور نہ اس سے جدا ہو سکتا ہوں۔ یہ خلافت کا جو طوق اللہ تعالیٰ نے میرے پر ڈال دیا ہے اگر یہ میرے گلے میں نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی محبت کی بناء پر آپ کے پاس خود آتا یہاں تک کہ اگر میں چلنے میں معذور ہوتا تو گھسٹ کر آتا۔ چنانچہ اب جب کہ میں خلیفہ ہوا تو میرے تمام دوست و احباب مجھے مبارکباد دینے کے لیے آئے۔ میں نے ان کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور قیمتی سے قیمتی چیزوں کا عطیہ دے کر اپنے دل اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ لیکن آپ تشریف نہیں لائے حالانکہ مجھے آپ کا شدید انتظار تھا۔ یہ خط آپ کو بڑے ذوق شوق اور محبت کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ اے ابوعبداللہ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مومن کی زیارت اور مواصلت کی فضیلت ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ جیسے ہی میرا یہ خط آپ کو ملے تو جتنی بھی جلدی ممکن ہو تشریف لائیے۔''

ہارون رشید نے یہ خط عباد طالقانی نامی ایک شخص کو دیا اور کہا یہ خط سفیان ثوری کو پہنچاؤ اور خاص طور سے یہ ہدایت کی کہ خط سفیان کے ہاتھ میں ہی دینا اور وہ جو جواب دیں اس کو غور سے سننا اور ان کے تمام احوال اچھی طرح معلوم کرنا۔ عباد کہتے ہیں کہ میں اس خط کو لے کر کوفہ کے لیے روانہ ہوا اور وہاں جا کر حضرت سفیان کو ان کی مسجد میں پایا۔ حضرت

سفیان نے مجھ کو دور سے دیکھا تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَاَعُوْذُبِكَ اللّٰھُمَّ مِنْ طَارِقٍ یَّطْرُقُ اِلَّا بِخَیْرٍ" (میں مردود شیطان سے اللہ سمیع وعلیم کی پناہ چاہتا ہوں اس شخص سے جو رات میں آتا ہے الا یہ کہ وہ کوئی خیر میرے پاس لے کر آئے)

عباد فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد کے دروازہ پر اپنے گھوڑے سے اُترا تو سفیان نماز کے لیے کھڑے ہو گئے حالانکہ یہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں پھر ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہاں پر موجود لوگوں کو سلام کیا۔ مگر کسی نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ مجھے بیٹھنے کو کہا حتیٰ کہ کسی نے میری طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی اس ماحول میں مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور بدحواسی میں میں نے وہ خط حضرت سفیان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت سفیان کی نظر جیسے ہی خط پر پڑی تو وہ ڈر گئے اور خط سے دور ہٹ گئے گویا وہ کوئی سانپ ہے۔ پھر کچھ دیر بعد سفیان نے اپنی آستین کے کپڑے سے اس خط کو اُٹھایا اور اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف پھینکا اور کہا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو پڑھے کیوں کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کسی ایسی چیز کے چھونے سے جس کو کسی ظالم نے چھو رکھا ہو۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے اس خط کو کھولا اس حال میں کہ اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ پھر اس نے اس کو پڑھا۔ خط کا مضمون سن کر سفیان کسی متعجب شخص کی طرح مسکرائے اور کہا کہ اس خط کو پلٹ کر اس کی پشت پر جواب لکھ دو۔ اہل مجلس میں سے کسی نے حضرت سفیان سے عرض کیا کہ حضرت وہ خلیفہ ہیں، لہٰذا اگر کسی کورے صاف کاغذ پر جواب لکھواتے تو اچھا تھا۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ نہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو اس لیے کہ اگر اس نے یہ کاغذ حلال کمائی کا استعمال کیا ہے تو اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اگر یہ کاغذ حرام کمائی کا استعمال ہے تو عنقریب اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ رہنی چاہیے جسے کسی ظالم نے چھوا ہو کیوں یہ چیز دین میں خرابی

کا باعث ہوگی۔

پھر اس کے بعد سفیان ثوری نے کہا کہ لکھو:

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا اور بڑا مہربان ہے

سفیان کی جانب سے اس شخص کی طرف جس سے ایمان کی مٹھاس اور قرأۃ قرآن کی دولت کو چھین لیا گیا۔

بعد سلام مسنون!

یہ خط تم کو اس لیے لکھ رہاں ہوں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ میں نے تم سے اپنا دینی رشتہ یعنی بھائی چارگی اور محبت کو منقطع کر لیا ہے اور یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے اپنے خط میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ تم نے اپنے دوست واحباب کو شاہی خزانہ سے مالا مال کر دیا ہے۔ لہٰذا اب میں اس بات کا گواہ ہوں کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کا غلط استعمال کیا ہے اور مسلمانوں کی بغیر اجازت کے اپنے نصاب پر خرچ کیا اور اس پر طرہ یہ کہ تم نے مجھ سے بھی اس آرزو کا اظہار کیا کہ میں تمہارے پاس آؤں لیکن یاد رکھو میں ان کے لیے کبھی راضی نہ ہوں گا۔ میں اور میرے اہل مجلس جس نے بھی تمہارے خط کو سنا وہ سب تمہارے خلاف گواہی دینے کے لیے انشاء اللہ کل قیامت کے دن خداوند قدوس کی عدالت میں حاضر ہوں گے کہ تم نے مسلمانوں کے مال کو غیر مستحق لوگوں پر خرچ کیا۔

اے ہارون! ذرا معلوم کرو کہ تمہارے اس فعل پر اہل علم، قرآن کی خدمت کرنے والے، یتیم بیوہ عورتیں، مجاہدین، عالمین سب راضی تھے یا نہیں؟ کیوں کہ میرے نزدیک مستحق اور غیر مستحق دونوں کی اجازت لینی ضروری تھی اس لیے اے ہارون! اب تم ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے اپنی کمر مضبوط کر لو۔ کیوں کہ عنقریب تم کو اللہ جل شانہٗ کے سامنے جو عادل و باحکمت ہے حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا اپنے نفس کو اللہ سے ڈراؤ۔ جس نے قرآن کی تلاوت، علم کی مجلسوں کو چھوڑ کر ظالم اور ظالموں کا امام بننا قبول کر لیا۔

اے ہارون! اب تم سریر پر بیٹھنے لگے اور حریر تمہارا لباس ہو گیا اور ایسے لوگوں کا لشکر جمع کر لیا جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں مگر تم انصاف نہیں کرتے۔ تمہارے یہ لوگ شراب پیتے ہیں مگر تم کوڑے دوسروں پر لگاتے ہو۔ تمہارے یہی لشکر (افسران) چوری کرتے ہیں مگر تم ہاتھ کاٹتے ہو بے قصور لوگوں کے، تمہارے یہ کارندے قتل عام کرتے ہیں۔ مگر تم خاموش تماشائی بنے ہو۔ اے ہارون! کل میدانِ حشر کیسا ہو گا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارنے والا پکارے گا کہ ''ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو حاضر کرو۔'' تو تم اس وقت آگے بڑھو گے اس حال میں کہ تمہارے دونوں ہاتھ تمہاری گردن سے بندھے ہوں گے اور تمہارے اردگرد تمہارے ظالم مددگار ہوں گے اور انجام کار تم ان ظالموں کے امام بن کر دوزخ کی طرف جاؤ گے۔ اس دن تم اپنے حسنات تلاش کرو گے تو وہ دوسروں کی میزان میں ہوں گی اور تمہاری میزان میں برائیاں ہی برائیاں نظر آئیں گی اور پھر تم کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ تم اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ بادشاہت تمہارے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہ یقیناً دوسروں کے پاس چلی جائے گی۔ چنانچہ یہ امر ایسا ہے کہ بعض اس سے دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں اور بعض دنیا و آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔

اور اب خط کے آخیر میں یہ بات غور سے سنو کہ آئندہ کبھی مجھ کو خط مت لکھنا اور اگر تم نے خط لکھا تو بھی یاد رکھنا اب کبھی مجھ سے کسی جواب کی امید مت رکھنا۔ والسلام۔''

خط مکمل کرا کے حضرت سفیان نے اس کو قاصد کی طرف پھینکوا دیا۔ نہ اس پر اپنی مہر لگائی اور نہ اس کو چھوا۔ قاصد (عباد) کہتے ہیں کہ خط کے مضمون کو سن کر میری حالت غیر ہو گئی اور دنیا سے ایک دم التفات جاتا رہا۔ چنانچہ میں خط لے کر کوفہ کے بازار میں آیا اور آواز لگائی کہ ہے کوئی خریدار جو اس شخص کو خرید سکے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہا ہو۔ چنانچہ لوگ میرے پاس درہم اور دینار لے کر آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے مال کی

ضرورت نہیں، مجھے تو صرف ایک جبہ اور قطوانی عبا چاہیے۔ چنانچہ لوگوں نے یہ چیزیں مجھے مہیا کر دیں۔ چنانچہ میں نے اپنا وہ قیمتی لباس اُتار دیا جسے میں دربار میں ہارون کے پاس جاتے وقت پہنتا تھا اور پھر میں نے گھوڑے کو بھی ہنکا دیا۔ اس کے بعد میں ننگے سر پیدل چلتا ہوا ہارون رشید کے محل کے دروازہ پر پہنچا۔ محل کے دروازہ پر لوگوں نے میری حالت کو دیکھ کر میرا مذاق اُڑایا اور پھر اندر جا کر ہارون سے میری حاضری کی اجازت لی۔ چنانچہ میں اندر گیا۔ ہارون رشید نے جیسے ہی مجھ کو دیکھا کھڑا ہو گیا اور اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگا وائے بربادی، وائے خرابی، قاصد آباد ہو گیا اور بھیجنے والا برباد ہو گیا اب اسے دنیا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہارون نے بڑی تیزی سے مجھ سے جواب طلب کیا۔ چنانچہ جس طرح سفیان ثوری نے وہ خط میری طرف پھینکوایا تھا اسی طرح میں نے وہ خط ہارون رشید کی طرف اُچھال دیا۔ ہارون رشید نے فوراً جھک کر ادب سے اس خط کو اُٹھا لیا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے ہارون الرشید کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے حتی کہ ہچکی بندھ گئی۔

ہارون الرشید کی یہ حالت دیکھ کر اہل دربار میں سے کسی نے کہا کہ امیر المومنین سفیان کی یہ جرأت کہ وہ آپ کو ایسا لکھیں اگر آپ حکم دیں تو ہم ابھی سفیان کو جکڑ کے قید کر لائیں تا کہ اس کو ایک عبرت انگیز سزا مل سکے۔ ہارون نے جواب دیا کہ "اے مغرور! دنیا کے غلام! سفیان کو کچھ مت کہو ان کی حالت پر رہنے دو۔ بخدا دنیا نے ہم کو دھوکہ دیا اور یہ بد بخت بنا دیا۔ تمہارے لیے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم سفیان کی مجلس میں جا کر بیٹھو کیوں کہ اس وقت سفیان ہی حضور ﷺ کے حقیقی امتی ہیں۔"

قاصد عباد کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہارون الرشید کی یہ حالت تھی کہ سفیان کے اس خط کو ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور ہر نماز کے بعد اس کو پڑھتے اور خوب روتے یہاں تک کہ ہارون کا انتقال ہو گیا۔ (حیاۃ الحیوان، جلد ۳، صفحہ ۲۶۶ - ۲۶۹)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بچہ اپنی فطرت (یعنی اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔''
(صحیح البخاری)

فطرت سے مراد اللہ پاک کی توحید اور اسلام کے بلند مرتبہ اصول و مبادی ہیں کیوں کہ یہ دین فطرت انسانی اور عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بچہ عقائد و اعمال کا ذہن لے کر دنیا میں آتا ہے، اگر والدین اس کی اچھی تربیت اور ذہن سازی کریں تو یہ بلند پایہ اوصاف پروان چڑھتے ہیں اور یہ انسان ایک بہترین مسلمان بن کر معاشرہ کا مفید فرد بن جاتا ہے لیکن اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوئی تو والدین کی غلط تربیت اور ماحول کے بداثرات سے اس کے افکار و اعمال بھی بگڑتے جاتے ہیں۔ جیسے ہم عملی طور پر دیکھتے ہیں کہ مسلمان گھرانوں کے بچے عیسائیوں کے مشنری اسکولوں یا دیگر غیر مسلموں کے مذہبی تعلیمی اداروں میں داخل کرا دیئے جاتے ہیں اور پھر وہ ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اور اسلام کے فطری اور عقلی نظریات اور اعمال سے بے گانہ ہو جاتے ہیں، بچے کی اس روحانی اور اخلاقی تباہی و بربادی میں والدین برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی اولاد کو دین اسلام کے مطابق تعلیم و تربیت کریں تاکہ وہ اعلیٰ مفید اور مثالی مسلمان بن سکیں۔

بچے کے کان میں اذان واقامت کی مسنونیت

بچے کی پیدائش کے بعد ایک سنت عمل یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، اس سلسلے میں جو احادیث مروی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ”جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو وہ بچہ ام الصبیان (سوکڑہ کی بیماری) سے محفوظ رہے گا۔“ (سنن بیہقی)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے (دائیں) کان میں جس دن وہ پیدا ہوئے اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ (بیہقی)

(۳) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی۔ (ابوداؤد، ترمذی شریف)

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس اذان اور اقامت کی حکمت یہ ہے کہ اس طرح سے نومولود بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز پہنچتی ہے، وہ خدائے بزرگ و برتر کی بڑائی اور عظمت والے کلمات اور اس شہادت کے الفاظ ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ گویا اسے دنیا میں آتے ہی اسلام اور خدائے واحد کی بڑائی کی تلقین کی جاتی ہے، جس کے اثرات ضرور بچے کے دل و دماغ پر پڑتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان اثرات کو ابھی سمجھ نہیں پاتا۔

اس کی ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اذان سے چونکہ شیطان بھاگتا ہے، جو کہ انسان کا ازلی دشمن ہے اس لیے اذان کہی جاتی ہے، کہ دنیا میں قدم رکھتے ہی بچے پر پہلے پہل شیطان کا قبضہ نہ ہو، اور اس کا دشمن ابتدا ہی میں بھاگ کر پسپا ہو جائے۔

یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ بچے کے کان میں پیدائش کے بعد اذان دی جاتی ہے اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، گویا جیسے عام نمازوں کے

لئے اذان دی جاتی ہے، اور تیاری کے کچھ وقفے کے بعد نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح تمام انسانوں کو یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اذان دی گئی ہے اور اس اذان کے بعد تمہاری نماز (نمازِ جنازہ) جلد ہونے والی ہے، لہٰذا درمیان کے مختصر عرصے میں آخرت کی تیاری کرو، تاکہ مرنے کے بعد پچھتانا نہ پڑے۔ کسی نے خوب کہا ہے ع

آئے ہوئی اذان، گئے ہوئی نماز
بس اتنی دیر کا جھگڑا ہے زندگی کیا ہے

تحنیک کی سنت:

تحنیک کا مطلب یہ ہے کہ کھجور یا چھوہارا منہ میں چبایا جائے اور اس کا تھوڑا سا حصہ انگلی پر لے کر نومولود کے منہ میں داخل کیا جائے۔ پھر انگلی کو آہستگی کے ساتھ دائیں بائیں حرکت دی جائے، تاکہ چبائی ہوئی چیز پورے منہ میں پہنچ جائے، یہ سنت عمل ہے جس کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ملتا ہے۔

(۴) حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے، جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کے شکم میں تھے تو فرماتی ہیں کہ میرے حمل کے دن پورے ہو چکے تھے، میں (ہجرت کر کے) مدینہ آئی اور قباء میں قیام کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وہیں پیدا ہوئے، میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوہارا منگوایا اور اسے چبا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے منہ میں ڈال دیا، اس طرح سب سے پہلی چیز جو ان کے شکم میں گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آبِ دہن تھا، پھر ان کے منہ میں چھوہارا ڈالنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی، اسلام میں (ہجرت کے بعد) یہ بچہ کی پہلی پیدائش تھی۔

(بخاری، جلد ۲، صفحہ ۵۷۵)

(۵) حضرت ابوموسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، میں اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور چبا کر اس کے تالو میں لگائی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور اسے مجھے دے دیا۔ (بخاری، جلد۲، صفحہ۶۹۹)

تحنیك کی حکمت حدیث نمبر۴ کی عبارت سے واضح ہوگئی کہ اس سے مراد حصولِ برکت ہے، جیسے حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے شکم میں پہنچی وہ آپ ﷺ کا آبِ دہن مبارک تھا۔ سبحان اللہ

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

آج ہمارے درمیان حضور اقدس ﷺ کی ذات پاک موجود نہیں ہے مگر آپ ﷺ کی سنت موجود ہے۔ لہٰذا کسی نیک آدمی سے تحنیك کی سنت ادا کرانی چاہیے۔ طبی اعتبار سے بھی تحنیك ایک فائدہ مند عمل ہے۔ کیوں کہ بچہ جب اس دنیا میں نیا نیا آتا ہے تو اس کا منہ پیدائشی بند ہونے کی وجہ سے ابھی کھلنے کا عادی نہیں ہوتا۔ تحنیك کے عمل سے جبڑے کھل جاتے ہیں اور منہ ماں کے دودھ کو لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کھجور کا رس بدن کے لیے قوت بخش بھی ہے۔

بچے کا سر مونڈنا:

اسلام میں نومولود بچے کے بارے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ساتویں روز بچے کے سر کے بال مونڈے جائیں اور ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی جائے، اس سنت کی تائید مندرجہ ذیل احادیث مبارک سے ہوتی ہے۔

(۶) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی پیدائش کے ساتویں دن حکم دیا کہ ان کے سر کے بال مونڈے جائیں۔ چنانچہ وہ مونڈوائے گئے اور ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی۔

(تحفۃ المودود باحکام المولود صفحہ ۵۸)

(۷) محمد بن علی بن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسینؓ کی طرف سے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا اے فاطمہ! اس کے سر کے بال مونڈ لے اور ان کے برابر چاندی خیرات کر دے۔ حضرت فاطمہؓ نے وزن کیا تو ان کا وزن ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

(۸) حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر بچہ عقیقہ تک بندھا ہوتا ہے، اس کی طرف سے ساتویں دن (بکرا یا بکری) ذبح کی جاوے اور سر کے بال مونڈے جائیں اور اس کا نام رکھا جاوے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

مسئلہ کی رو سے بچہ اور بچی دونوں کے سر کے بال مونڈے جانے چاہئیں اور ہر ایک کے سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کرنی چاہیے۔ کیوں کہ بچہ اور بچی دونوں خدا کی نعمت ہیں اور سر کے بال مونڈنے کی حکمتیں دونوں سے متعلق ہیں، بال مونڈنے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ سارے سر کے بال مونڈے جائیں، کیوں کہ بال مونڈنے کا ایک غلط طریقہ یہ ہے کہ سر کے کچھ بال مونڈے جائیں اور کچھ چھوڑ دیئے جائیں، اس کو عربی میں قزع کہتے ہیں، جس کو منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری و مسلم)

سر مونڈوانے کی سنت سے جو حکمت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بچے کے پیدائشی بال

مادرِ شکم میں آلائش وغیرہ کے ساتھ گندے ہو چکے ہوتے ہیں، ان گندے بالوں کو دور کر کے صفائی ستھرائی حاصل ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ پیدائشی بال انتہائی کمزور ہوتے ہیں جس کے دور کرنے سے نسبتاً طاقتور بال اُگ آتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ پیدائشی بالوں کو دور کرنے سے سر کے مسام کھل جاتے ہیں، جس کے صحت پر اچھے اثرات پڑتے ہیں نیز سر کے بال کٹوانے سے دیکھنے، سننے، سونگھنے اور سوچنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اس سنت کا دوسرا جزو بالوں کے برابر چاندی کا خیرات کرنا ہے، جس کی حکمت ظاہر ہے کہ بچے کی پیدائش پر جو خوشی ہوتی ہے، اس میں فقراء اور مساکین کو بھی شریک کرلیا جاتا ہے۔ یوں یہ خوشی صرف ایک گھر تک محدود نہیں رہتی بلکہ آس پاس کے غریب لوگ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ نیز خدا کی طرف سے اولاد کے عطا ہونے پر یہ صدقہ خوشی اور تشکر کا اظہار بھی ہے۔

(ماہنامہ المحمود، فروری ۲۰۰۶ء، صفحہ ۲۳)

نظر بس آپ ﷺ ہی پر ہے شفیع المذنبین میری

دواؤں سے طبیعت رو بہ صحت ہے نہیں میری
طبیعت مضطرب ہے اب نہیں لگتی کہیں میری

نہیں سمجھا کوئی اس درد کو یہ درد کیسا ہے
دواؤں سے شفا ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری

علاج اس کا فقط یہ ہے کہ طیبہ ہو نگاہوں میں
دیارِ قدس میں اشکوں سے تر ہو آستیں میری

دیارِ پاک ہوتا اور ہوتی یہ جبیں میری
خدا کی رحمتوں سے زندگی ہوتی حسیں میری

گذر جائے یہ باقی عمر اُن کے آستانے پر
جہاں ہیں سرورِ عالم بنے تربت وہیں میری

متاعِ دردِ دل جو مل گئی مشکل سے ملتی ہے
خدا کا فضل ہے حالت تو ایسی تھی نہیں میری

نہ دن میں چین ملتا ہے نہ شب میں نیند آتی ہے
سکوں باقی نہیں ہے، خاطر اندوہگیں میری

ہوا پیدا اسی غم کے لیے راحت کا طالب ہوں
طلب کرتا ہوں ایسی شئی جو قسمت میں نہیں میری

تصور میں وہ رہتے ہیں نگاہیں ہوں کہیں میری وہ نقشہ جم گیا ہے اب تو دل میں ذاتِ اقدس کا
کسی سے بات کرنے کی کوئی خواہش نہیں میری ہوا دیوانہ جب سے آپ کا خلوت میں رہتا ہوں
جو دیکھا غور سے میں نے تو آنکھیں کھل گئیں میری یہ دنیا دارِ فانی ہے فقط اک خواب ہے شب کا

کسی لائق نہیں ثاقب مگر بخشش کا طالب ہوں
نظر بس آپ ﷺ پر ہی ہے شفیع المذنبین میری

ولی ہو کر نبی کا کام کرو

حضرت سلیمانؒ بن یسار مشہور محدث ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو جنگل میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ان کے ساتھی کسی کام کے لیے شہر گئے تو وہ اپنے خیمے میں اکیلے تھے اتنے میں ایک خوبصورت عورت ان کے خیمے میں آئی اور کچھ مانگنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے کچھ کھانا اس کو دینا چاہا تو اس عورت نے برملا کہا کہ میں آپ سے وہ کچھ چاہتی ہوں جو ایک عورت مرد سے چاہتی ہے دیکھو تم نوجوان ہو میں خوبصورت ہوں ہم دونوں کے لطف اندوز ہونے کے لیے تنہائی کا موقع بھی ہے۔ حضرت سلیمانؒ بن یسار نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ شیطان نے میری عمر بھر کی محنت ضائع کرنے کے لیے اس عورت کو بھیجا ہے۔ وہ خوفِ خدا سے زار و قطار رونے لگے اتنا روئے اتنا روئے کہ وہ عورت شرمندہ ہو کر واپس چلی گئی۔ حضرت سلیمانؒ بن یسار نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مصیبت سے جان چھوٹی۔ رات کو سوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا مبارکباد ہو، تم نے ولی ہو کر وہ کام کر دکھایا جو ایک نبی نے کیا تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے دور میں ایک امیر شخص تھا جس کی بیوی رشک قمر اور پری چہرہ تھی۔ اس عورت کو اپنے حسن پر بڑا ناز تھا۔ ایک مرتبہ بناؤ سنگھار کرتے ہوئے اس نے ناز نخرے سے اپنے شوہر سے کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھے دیکھے اور میری طمع نہ کرے۔

خاوند نے کہا مجھے امید ہے کہ جنید بغدادیؒ کو تیری پروا بھی نہیں ہوگی۔ بیوی نے کہا مجھے اجازت ہوتو جنید بغدادیؒ کو آزما لیتی ہوں۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ یہی گھوڑا اور یہی گھوڑے کا میدان۔ دیکھ لیتی ہوں جنید بغدادی کتنے پانی میں ہیں۔ خاوند نے اجازت دے دی۔

وہ عورت بن سنور کر جنید بغدادیؒ کے پاس آئی اور ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے چہرے سے نقاب کھول دیا۔ جنید بغدادیؒ کی نظر پڑی تو انہوں نے زور سے اللہ کے نام کی ضرب لگائی۔ اس عورت کے دل میں یہ نام پیوست ہوگیا۔ اس کے دل کی حالت بدل گئی وہ اپنے گھر واپس آئی اور سب نازنخرے چھوڑ دیئے۔ زندگی کی صبح وشام بدل گئی۔ سارا دن قرآن مجید کی تلاوت کرتی اور ساری رات مصلے پر کھڑے ہوکر گزار دیتی۔ خشیت الٰہی اور محبت الٰہی کی وجہ سے آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخساروں پر بہتی رہتیں۔ اس عورت کا خاوند کہا کرتا تھا کہ میں نے جنید بغدادیؒ کا کیا بگاڑا تھا کہ اس نے میری بیوی کو راہبہ بنا دیا اور میرے کام کا نہ چھوڑا۔

بدنظری سے توفیقِ عمل چھن جاتی ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے تھے:

''بدنظری نہایت ہی مہلک مرض ہے۔ ایک تجربہ تو میرا بھی اپنے بہت سے احباب پر ہے کہ ذکر شغل کی ابتدار میں لذت وجوش کی کیفیت ہوتی ہے مگر بدنظری کی وجہ سے عبادت کی حلاوت اور لذت فنا ہوجاتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ عبادات کے چھٹنے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔'' (آپ بیتی ۶/ ۴۱۸)

مثال کے طور پر اگر صحت مند نوجوان شخص کو بخار ہوجائے اور اترنے کا نام ہی نہ لے تو

لاغری اور کمزوری کی وجہ سے اس کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ بستر پر پڑے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو بدنظری کی بیماری لگ جائے وہ باطنی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ نیک عمل کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سے عمل کی توفیق چھین لی جاتی ہے نیک کام کرنے کی نیت بھی کرتا ہے تو بدنظری کی وجہ سے نیت میں فتور آ جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

تیار تھے نماز کو ہم سن کے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کر نیت بدل گئی

بدنظری سے قوتِ حافظہ کمزور ہوتی ہے

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ غیر محرم عورتوں کی طرف یا نوعمر لڑکوں کی طرف شہوت کی نظر ڈالنے سے قوتِ حافظہ کمزور ہو جاتی ہے اس کی تصدیق کے لیے یہ ثبوت کافی ہے کہ بدنظری کرنے والے حفاظ کو منزل یاد نہیں رہتی اور جو طلباء حفظ کر رہے ہوں ان کے لیے سبق یاد کرنا مصیبت ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے استاد امام وکیعؒ سے قوتِ حافظہ میں کمی کی شکایت کی تو انہوں نے معصیت سے بچنے کی وصیت کی۔ امام شافعیؒ نے اس گفتگو کو شعر کا جامہ پہناتے ہوئے فرمایا:

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْٓءَ حِفْظِىْ
فَاَوْصَانِىْٓ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِىْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

(میں نے امام وکیعؒ سے اپنے حافظے کی کمی کی شکایت کی۔ انہوں نے وصیت کی کہ

اے طالب علم گناہوں سے بچ جاؤ کیوں کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔)

دل ودماغ کو چوٹ پہنچانے والا قصہ

کہتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس ایک بہروپیا آتا تھا، وہ مختلف روپ بدل کر آتا تھا۔ اورنگ زیب ایک فرزانہ و تجربہ کار شخص تھے جو اس طویل و عریض ملک پر حکومت کررہے تھے، اس کو پہچان لیتے، وہ فوراً کہہ دیتے کہ تو فلاں ہے، میں جانتا ہوں۔ وہ ناکام رہتا، پھر دوسرا بھیس بدل کر آتا پھر وہ تاڑ جاتے اور کہتے میں نے پہچان لیا تو فلاں کا بھیس بدل کر آیا ہے تو تو فلاں ہے، بہروپیا عاجز آگیا، آخر میں کچھ دنوں تک خاموشی رہی، ایک عرصہ تک وہ بادشاہ کے سامنے نہیں آیا، سال دو سال کے بعد شہر میں یہ افواہ گرم ہوئی کہ کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں اور وہ فلاں پہاڑ کی چوٹی پر خلوت نشین ہیں، چلہ کھینچے ہوئے ہیں، بہت مشکل سے لوگوں سے ملتے ہیں۔ کوئی بڑا خوش قسمت ہوتا ہے، جس کا وہ سلام یا نذر قبول کرتے ہیں اور اس کو باریابی کا شرف بخشتے ہیں۔ بالکل یکسو اور دنیا سے گوشہ گیر ہیں۔ بادشاہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مکتب کے پروردہ تھے، اور ان کو اتباعِ سنت کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اتنی جلدی کسی کے معتقد ہونے والے نہیں تھے، انہوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا، ان کے اراکین دربار نے کئی بار عرض کیا کہ کبھی جہاں پناہ بھی تشریف لے چلیں اور بزرگ کی زیارت کریں اور ان کی دعا لیں، انہوں نے ٹال دیا دو چار مرتبہ کہنے کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ اچھا بھئی چلو کیا حرج ہے، اگر خدا کا کوئی مخلص بندہ ہے اور خلوت گزیں ہے تو اس کی زیارت سے فائدہ ہی ہوگا، بادشاہ تشریف لے گئے اور مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور دعا کی درخواست کی اور ہدیہ پیش کیا، درویش نے لینے سے معذرت کی۔ بادشاہ وہاں سے رخصت ہوئے تو درویش کھڑے ہوگئے اور آداب بجا

لائے، فرشی سلام کیا اور کہا کہ جہاں پناہ! مجھے نہیں پہچان سکے، میں وہی بہروپیا ہوں جو کئی بار آیا اور سرکار پر میری قلعی کھل گئی، بادشاہ نے اقرار کیا، کہا کہ بھائی بات تو ٹھیک ہے، میں اب کہ نہیں پہچان سکا لیکن یہ بتاؤ کہ میں نے جب تمہیں اتنی بڑی رقم پیش کی جس کے لیے تم یہ سب کمالات دکھاتے تھے، تو تم نے کیوں نہیں قبول کیا؟ اس نے کہا سرکار میں نے جن کا بھیس بدلا تھا ان کا یہ شیوہ نہیں، جب میں ان کے نام پر بیٹھا اور میں نے ان کا کردار ادا کرنے کا بیڑہ اُٹھایا تو پھر مجھے شرم آئی کہ میں جن کی نقل کر رہا ہوں، ان کا یہ طرز نہیں کہ وہ بادشاہ کی رقم قبول کریں، اس لیے میں نے نہیں قبول کیا۔ اس واقعہ سے دل و دماغ کو ایک چوٹ لگتی ہے کہ ایک بہروپیا یہ کہہ سکتا ہے، تو پھر سنجیدہ لوگ، صاحب دعوت انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کر کے ان کا مزاج اختیار نہ کریں، یہ بڑے ستم کی بات ہے۔ میں نے یہ لطیفہ تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ ایک حقیقت کو ذرا آسان طریقہ پر ذہن نشین کرنے کے لیے سنایا۔ ہم داعی و مبلغ ہوں، یا دین کے ترجمان یا شارح۔ ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ دین اور دعوت ہم نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ کی ہے، اگر انبیاء علیہم السلام یہ دعوت لے کر نہ آتے تو ہم کو اس کی ہوا بھی نہ لگتی۔

عورت اذان کیوں نہیں دے سکتی

عورت کی آواز اگرچہ ستر نہیں ہے بوقت ضرورت وہ غیر محرم مرد سے گفتگو کر سکتی ہے یا فون سن سکتی ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی آواز میں کشش ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہا نے عورت کو اذان دینے سے منع کیا چونکہ اذان خوش الحانی کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ایک ریڈیو اناؤنسر کے کئی نادیدہ عاشق ہوتے ہیں۔ آواز کا جادو بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اس لیے غیر محرم سے بات چیت کے دوران مناسب لہجے میں بات چیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو عورتیں

مجبوری کی وجہ سے خرید وفروخت اور لین دین کا کام خود کرتی ہیں وہ بہت خطرے میں ہوتی ہیں۔ دکاندار، درزی، جیولرز، منیاری والا، رنگریز، ڈاکٹر اور حکیم سے بہت محتاط انداز میں بات کرنی چاہیے۔ مرد لوگ تو پہلے ہی عورت کو شیشے میں اتارنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اگر کوئی عورت ذرا سا ڈھیلا پن دکھائے تو بات بہت دور نکل جاتی ہے۔

جیولرز کا کام تو ویسے ہی زیب و زینت کے متعلق ہوتا ہے۔ کئی عورتیں انگوٹھی اور چوڑیاں خرید کر مرد سے کہتی ہیں کہ پہنا دیں۔ جب ہاتھ ہی ہاتھ میں دے دیا تو پیچھے کیا رہا۔

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں تو خزاں کے دن بھی بدل گئے
ترا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا تو چراغ رہ کے جل گئے

ڈاکٹر یا حکیم کو بیماری کے متعلق کیفیات بتانی ہوں تو نہایت احتیاط برتی جائے ایسا نہ ہو کہ جسم کا علاج کرواتے کرواتے دل کا روگ لگا بیٹھیں۔ کئی ڈاکٹر حضرات مریضہ کا علاج کرتے ہوئے خود مریض عشق بن جاتے ہیں۔

بعض لوگ اپنی نوجوان بچیوں کو مرد استاذ کے پاس ٹیوشن پڑھنے بھیجتے ہیں یا انہیں ٹیوشن پڑھانے اپنے گھر بلاتے ہیں۔ دونوں صورت میں نتائج برے ہوتے ہیں۔ شرع شریف سے غفلت برتنے کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ شاگردہ کو استاذ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے تو شیطان مشورہ دیتا ہے کہ کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی شخصیات کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرو۔ جب پرسنل لائف کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں تو حرام کاری کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ٹیوشن پڑھنی تھی ٹینشن پلے پڑ گئی۔
مردوں کو بھی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت احتیاط کرنی چاہیے علامہ جزریؒ نے لکھا ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّخْضَعَ الرَّجُلُ بِغَيْرِ امْرَأَةٍ اَنْ يَّلِيْنَ لَهَا بِالْقَوْلِ بِمَا يَطْمَعُهَا مِنْهُ۔ (النهايه)

(نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت کے

سامنے نرمی سے بات چیت کرے جس سے عورت کو مرد میں دلچسپی پیدا ہو جائے۔) (النہایہ)

بعض لڑکیاں حالات کی مجبوری کا بہانا بنا کر دفتروں یا کارخانوں میں مرد حضرات کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ شیطان کے لیے ان لڑکیوں کو زنا میں پھنسانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ اکثر اوقات تو افسر ہی عزت کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ ورنہ ساتھ مل کر کام کرنے والے لڑکے ہی میل ملاپ کی راہیں ڈھونڈ لیتے ہیں۔ مرد حضرات ایسی صورتحال پیدا کر دیتے ہیں کہ لڑکیوں کو گناہ میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ ایک سختی کرتا ہے کہ تم اچھا کام نہیں کرتی تمہاری چھٹی کروا دینی چاہیے۔ لڑکی ڈر جاتی ہے گھبرا جاتی ہے دوسرا نجات دھندہ بن جاتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ لڑکی نجات دھندہ کے پھندے میں پھنس چکی ہوتی ہے۔ دفتر میں کام کرنے والی لڑکیوں کو کم یا زیادہ ایسے ناپسندیدہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، وہ نوکری پیشہ خواتین جو کم گو ہوتی ہیں۔ کسی مرد پر اعتبار نہیں کرتیں نہ ہی کسی سے اپنی زندگی کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتی ہیں بس کام سے کام رکھتی ہیں۔ جو مردان سے Loose Talk یعنی آزاد گفتگو کرنے لگے اسے ڈانٹ پلا دیتی ہیں اگرچہ وہ دفتر میں سڑیل مشہور ہو جائیں مگر کم از کم اپنی عزت بچا لیتی ہیں۔

غیر محرم سے باتیں کرنا بھی زنا کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے حکم دیا ہے عورتوں کو کہ اگر انہیں کسی وقت غیر محرم مرد سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اپنی آواز میں لوچ اور نرمی پیدا نہ ہونے دیں۔ نہ ہی پرتکلف انداز سے چبا چبا کر اور الفاظ کو بنا سنوار کر باتیں کریں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ (الاحزاب ۴، آیت ۳۲)

(اور نہیں چبا کر باتیں کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ تمنا کرنے لگے اور تم معقول بات کرو۔)

عورت اگر پردے کی اوٹ میں بھی بات کرے تو آواز میں شیرینی اور جاذبیت پیدا نہ ہونے دے بلکہ لب ولہجہ خشک ہی رکھے۔ ایسی لگی لپٹی باتیں جن کو سن کر مرد کی شہوت بھڑکے ان سے عورت کو اجتناب کرنا ضروری ہے۔ غیر محرم مرد سے گفتگو نرمی اور ادا کے ساتھ نہ کی جائے بلکہ صاف کھلی اور دھلی بات ہو، مختصر ہو، جو بات دو فقروں میں کہی جاتی ہے اس کو ایک میں ہی کہے تو بہتر ہے، مرد کو بھی خوامخواہ ایک سے دوسری بات کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔

جب غیر محرم مرد اور عورت کے درمیان بے جھجک بات کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو معاملہ ایک قدم آگے اور بڑھتا ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید سے ملتی ہے کہ انبیائے کرام تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ آئے مگر ان میں سے کسی نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی، صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ط (الاعراف ۱۴۳)

اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر رب کریم سے ہم کلامی کے لیے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا کلیم اللہ ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں محبوب حقیقی کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بات سے بات بڑھتی ہے، پہلے بات کرنے کا مرحلہ طے ہوتا ہے پھر دیکھنے کی نوبت آتی ہے۔ جب دیکھ لیا جائے تو ملاقات کا شوق پیدا ہوتا ہے دل کہتا ہے کہ

نہ تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انسان ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

جب حجاب اتر جاتا ہے تو میل ملاپ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذلت و

رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

بدنظری کے تین بڑے نقصانات

بدنظری سے انسان کے اندر نفسانی خواہشات کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور انسان اس سیلاب کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ اس میں تین بڑے نقصانات وجود میں آتے ہیں۔

(۱) بدنظری کی وجہ سے انسان کے دل میں خیالی محبوب کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ حسین چہرے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ وہ شخص چاہتا ہے کہ میں ان حسین شکلوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا مگر اس کے باوجود تنہائیوں میں ان کے تصور سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ تو گھنٹوں ان کے ساتھ خیال کی دنیا میں باتیں کرتا ہے معاملہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بدنظری کے ساتھ ہی شیطان انسان کے دل و دماغ پر سوار ہو جاتا ہے اور اس شخص سے شیطانی حرکتیں کروانے میں جلدی کرتا ہے۔ جس طرح ویران اور خالی جگہ پر تند و تیز آندھی اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ اسی طرح شیطان بھی اس شخص کے دل پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے تاکہ اس دیکھی ہوئی صورت کو خوب آراستہ و مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرے اور اس کے سامنے ایک خوبصورت بت بنا دے۔ ایسے شخص کا دل رات دن اسی بت کی پوجا میں لگا رہتا ہے وہ خام آرزوؤں اور تمناؤں میں الجھا رہتا ہے۔ اسی کا نام شہوت پرستی، خواہش پرستی، نفس پرستی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا٥

6

”اور اس کا کہنا نہ مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔“ (الکہف:۲۸)

ان خیالی معبودوں سے جان چھڑائے بغیر نہ تو ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے نہ قرب الٰہی کی ہوا لگتی ہے۔ بقول شاعر ؎

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے

(۲) بدنظری کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ انسان کا دل و دماغ متفرق چیزوں میں بٹ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مصالح و منافع کو بھول جاتا ہے۔ گھر میں حسین و جمیل نیکوکار اور وفادار بیوی موجود ہوتی ہے مگر اس شخص کا دل بیوی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ بیوی اچھی نہیں لگتی۔ ذرا ذرا سی بات پر اس سے اُلجھتا ہے، گھر کی فضا میں بے سکونی پیدا ہو جاتی ہے، جب کہ یہی شخص بے پردہ گھومنے والی عورتوں کو اس طرح للچائی نظروں سے دیکھتا ہے جس طرح شکاری کتا اپنے شکار کو دیکھتا ہے۔ بسا اوقات تو اس شخص کا دل کام کاج میں بھی نہیں لگتا۔ اگر طالب علم ہے تو پڑھائی کے سوا ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ اگر تاجر ہے تو کاروبار سے دل اُکتا جاتا ہے۔ کئی گھنٹے سوتا ہے مگر پرسکون نیند سے محروم رہتا ہے۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ سویا ہوا ہے جب کہ وہ خیالی محبوب کے تصور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔

(۳) بدنظری کا تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ دل حق و باطل اور سنت و بدعت میں تمیز کرنے سے عاری ہو جاتا ہے۔ قوتِ بصیرت چھن جاتی ہے۔ دین کے علوم و معارف سے محرومی ہونے لگتی ہے۔ گناہ کا کام اس کو گناہ نظر نہیں آتا۔ پھر ایسی صورتحال میں دین کے متعلق شیطان اس کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسے دینی نیک لوگوں سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں حتیٰ کہ اسے دینی شکل و صورت والے لوگوں سے ہی

نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ باطل پہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور بالآخر ایمان سے محروم ہو کر دنیا سے جہنم رسیدہ ہو جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

بدنظری سے پرہیز کا خاص انعام

جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت کر لے اسے آخرت میں دو انعامات ملیں گے (۱) ہر نگاہ کی حفاظت پر اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا (۲) ایسی آنکھیں قیامت کے دن رونے سے محفوظ رہیں گی۔ حدیث پاک میں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی سوائے اس آنکھ کے جو خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہے۔ اور وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں جاگی رہے اور وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئے گو اس میں سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی عجیب سوانح عمری

حضرت عبداللہؒ کے والد کا قصہ

بہت دنوں کی بات ہے۔ شہر حران میں ایک ترکی تاجر رہتا تھا۔ یہ بہت بڑا مالدار تھا۔ اس کے پاس انگور، انار اور سیب کے بڑے بڑے باغ تھے، شاندار کوٹھیاں تھیں، دولت کی ریل پیل تھی، عیش و آرام کی کون سی چیز تھی جو اس کے پاس نہ تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر اس کی زندگی پر رشک کرتے تھے۔ لیکن ایک فکر تھی جو اسے اندر ہی اندر کھا رہی تھی۔ دن رات وہ اسی فکر میں گھلتا، اپنے دوستوں اور عزیزوں سے مشورہ کرتا لیکن اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آتی اور کوئی فیصلہ نہ کر پاتا۔

بات یہ تھی کہ اس کی ایک نوجوان لڑکی تھی، بڑی ہی خوبصورت، نیک اور سلیقہ والی، ادب، تہذیب، علم، ہنر، نیکی اور دینداری سب ہی خوبیاں اللہ نے اسے دے رکھی تھیں۔ گھر گھر سے اس کے پیغام آرہے تھے۔ چونکہ یہ ترکی تاجر ایک اونچے شریف خاندان کا آدمی تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مال و دولت بھی دے رکھا تھا۔ طبیعت میں نیکی اور بھلائی بھی تھی۔ اس لیے ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ اس کی لڑکی کو بیاہ کر لائے لیکن ترکی تاجر کا دل کسی بھی لڑکے کے لیے نہ ٹکتا تھا۔ بڑے بڑے گھرانوں کے پیغام آئے لیکن باپ نے ہر جگہ انکار ہی کیا وہ جس قسم کے لڑکے سے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کرنا چاہتا تھا، ابھی تک اسے ایسا کوئی لڑکا نہ مل سکا تھا۔

حضرت مبارک کی نیکی:

اس تاجر کے ایک باغ کی دیکھ بھال جو صاحب کرتے تھے ان کا نام مبارک تھا۔ تھے بھی وہ واقعی بڑے مبارک۔ بڑے ہی نیک اور دیندار آدمی تھے۔ تاجر کے دل میں بھی ان کی بڑی عزت تھی اور ہر کام میں وہ ان پر بھروسہ کرتا تھا۔

ایک دن اتفاق سے یہ ترکی تاجر اپنے باغ میں گیا۔ مبارک وہاں اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ مالک کو دیکھ کر جھٹ آئے، سلام کیا اور بات چیت ہونے لگی تھوڑی دیر بعد مالک نے کہا ''میاں مبارک! جاؤ ایک میٹھا سا انار تو توڑ لاؤ۔'' مبارک باغ میں گئے اور ایک خوبصورت بڑا سا انار توڑ لائے۔ مالک نے توڑا اور چند دانے منہ میں ڈالے۔ ''ارے یہ تو بہت کھٹا ہے، تم کیسا انار توڑ کر لائے؟'' مالک نے خفا ہو کر کہا ''حضور! اور توڑ لاؤں؟'' مبارک نے کہا۔ مالک نے کہا، ''ہاں جاؤ ذرا میٹھا سا توڑ کر لاؤ۔ اتنے دن ہو گئے ابھی تک تمہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ کس پیڑ کے انار میٹھے ہیں؟'' مالک نے کہا۔

''حضور! مجھے کیسے معلوم ہوتا؟ مجھے آپ نے کھٹے میٹھے انار چکھنے کے لیے تو نہیں مقرر کیا ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ باغ کی دیکھ بھال کروں، مجھے اس سے کیا مطلب کہ کس

پیڑ کے انار میٹھے ہیں اور کس کے کھٹے!''

مبارک کی یہ بات سن کر مالک بہت خوش ہوا، دل ہی دل میں کہنے لگا، مبارک کیسا دیانتدار آدمی ہے! یہ تو آدمی نہیں فرشتہ لگتا ہے، بھلا ایسے لوگوں کا کام باغ کی حفاظت ہے؟ یہ شخص تو اس لائق ہے کہ ہر وقت میرے ساتھ رہے، ہر کام میں میں اس سے مشورہ لوں اور اس کی صحبت میں رہ کر بھلائی اور نیکی سیکھوں۔

یہ سوچ کر اس نے مبارک سے کہا ''بھائی تم میرے ساتھ کوٹھی پر چلو، آج سے تم وہیں کوٹھی میں میرے ساتھ رہنا، باغ کی حفاظت کے لیے کسی اور آدمی کو مقرر کر دیا جائے گا۔'' مبارک خوشی خوشی اپنے مالک کے ساتھ کوٹھی پر پہنچے اور آرام سے رہنے لگے۔ مالک بھی اکثر آ کر مبارک کی اچھی صحبت میں بیٹھتا، دین و ایمان کی باتیں سنتا، خدا رسول کا ذکر سنتا اور خوش ہوتا۔

ایک دن مبارک نے دیکھا کہ مالک کچھ سوچ رہا ہے۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑی فکر ہو۔ پوچھا ''بھائی کیا بات ہے؟ آج آپ بڑے فکر مند نظر آ رہے ہیں؟'' مالک جیسے اس سوال کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری پریشانی کی کہانی سنا ڈالی۔

مالک نے کہا ''مبارک بھائی! یہ بتاؤ، میں اب کیا کروں؟ بے شمار پیغام ہیں، کس سے اقرار کروں، اور کس سے انکار کروں؟ اسی فکر میں دن رات گھلتا ہوں اور کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔''

مبارک نے کہا ''بے شک یہ فکر کی بات ہے۔ جوان لڑکی جب گھر میں بیٹھی ہو تو ماں باپ کو فکر ہوتی ہے۔ اگر مناسب رشتہ مل جائے تو زندگی بھر سکھ اور چین ہے اور کسی برے سے خدانخواستہ پالا پڑ جائے تو زندگی بھر کا رونا ہے۔''

''پھر تم ہی کوئی حل بتاؤ۔'' مالک نے کہا

''حضور! میرے نزدیک تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لیے آپ دن رات گھلیں اور اپنی صحت خراب کریں۔ ہم اور آپ خدا کا شکر ہے مسلمان ہیں، زندگی کے ہر معاملہ میں پیارے رسول ﷺ کی پاک زندگی ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے۔ اس اُسوہ پر جب بھی ہم عمل کریں گے، انشاء اللہ اچھائی ہی ہمارے سامنے آئے گی۔'' مبارک نے پورے اطمینان سے کہا۔

''اچھا تو پھر بتاؤ پیارے رسول ﷺ کے اُسوہ کی روشنی میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ تو حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان اس بہترین اُسوہ سے منہ موڑے گا ذلیل ہوگا۔'' مالک نے کہا:

''دیکھئے جہاں تک اسلام سے پہلے کے لوگوں کا تعلق ہے، یہ لوگ عزت، شہرت اور خاندانی بڑائی ڈھونڈتے تھے۔ یہودی لوگ مال پر جان چھڑکتے تھے، اور عیسائی خوبصورتی اور حسن تلاش کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو پیارے رسول نے تاکید کی ہے تم رشتہ کرتے وقت ہمیشہ نیکی اور دین داری کو دیکھنا۔'' مالک یہ سن کر خوشی سے اُچھل پڑا اور کہا ''مبارک بھائی! خدا کی قسم تم نے میرا سارا غم دھو دیا۔ جیسے اب مجھے کوئی فکر ہی نہیں ہے۔''

مبارک کی شادی:

وہ خوشی خوشی گھر پہنچا۔ بیوی کو سارا قصہ سنایا۔ وہ بھی خوش ہوئی اور مبارک کی نیکی اور سوجھ بوجھ کی تعریف کرنے لگی۔ ترکی تاجر نے موقع مناسب پا کر بیوی سے کہا ''پھر ہم کیوں نہ اپنی پیاری بیٹی کا نکاح مبارکؒ سے کر دیں۔''

''ہائیں کیا کہا؟ گھر کے نوکر سے! غلام سے! دنیا کیا کہے گی؟'' بیوی چلائی۔

''کیا حرج ہے اگر نوکر ہے؟ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، تم نیکی اور دینداری کو

دیکھو۔ خدا کی قسم مجھے تو اس کسوٹی کے لحاظ سے پورے شہر حران میں مبارک سے زیادہ نیک اور دیندار نظر نہیں آتا۔ بڑا ہی سمجھدار اور دیانتدار آدمی ہے۔ اگر پیارے رسول ﷺ سچے ہیں، اور ان کا کہا ماننے میں بھلائی ہے، تو ہمیں دنیا سے بے فکر ہو کر اپنے جگر گوشے کو مبارک کے حوالے کر دینا چاہیے اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو گویا ہم خود ہی اپنے عمل سے پیارے رسول ﷺ کی بات کو جھٹلائیں گے۔'' ترکی تاجر نے اطمینان اور یقین سے کہا۔

شوہر کا یہ عزم دیکھ کر اور سیدھی سچی بات سن کر بیوی بھی دل سے راضی ہو گئی۔ اور حران کے رئیس کی اس چاند سی لڑکی کی شادی ایک ایسے غریب سے رچائی گئی، جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ تھا نہ کوئی گھر، اور نہ ہی کسی اونچے گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ اس کے پاس اگر کوئی دولت تھی تو ایمان و اسلام کی، نیکی اور تقویٰ کی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کے لیے حران کے بڑے بڑے رئیسوں نے پیغام بھیجے، اونچے اونچے خاندانی لڑکوں نے پیغام بھیجے۔ لیکن مبارک کی نیکی اور تقویٰ کے مقابلے میں ہر ایک نے شکست کھائی۔

حضرت عبداللہ کی پیدائش:

مبارک کی شادی ہو گئی۔ اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی رہنے لگے۔ مبارک جیسے خود نیک تھے ویسے ہی ان کی بیوی بھی ہزاروں لاکھوں میں ایک تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اللہ نے ان کو ایک چاند سا بیٹا دیا۔ ماں باپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، بیٹے کا نام عبداللہ رکھا اور وہ واقعی عبداللہ ہی ثابت ہوئے۔ یہ وہ عبداللہ ہیں جن کے علم و تقویٰ کی پوری دنیا میں دھوم ہوئی۔ جو مشرق و مغرب کے عالم کہلائے۔ جو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور احمد بن حنبلؒ جیسے بزرگ ان کے شاگرد تھے۔

تھوڑے دن کے بعد اس ترکی تاجر کا انتقال ہو گیا، اور اس کے مال و دولت کا ایک بڑا حصہ حضرت عبداللہ کے والد حضرت مبارک کو ملا یہ ساری دولت حضرت عبداللہ کے کام

آئی۔ نیک باپ نے بیٹے کی تعلیم پر ساری دولت بہادی، اور خدا کا کرنا کہ حضرت عبداللہؒ حدیث کے امام کہلائے۔

وطن:

حضرت عبداللہ کا اصلی وطن مرو ہے اسی وجہ سے ان کو مروزی کہتے ہیں۔ مرو خراسان میں مسلمانوں کا بہت پرانا شہر ہے۔ یہاں کبھی اسلامی تعلیم اور دینداری کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف دین و ایمان کے چرچے تھے۔ بڑے بڑے عالم اور بزرگ یہاں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اللہ کے دین اور رسول پاک ﷺ کی احادیث کی خوب خدمت کی۔

ابتدائی زندگی:

نیک ماں باپ نے حضرت عبداللہ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ شروع ہی سے انتہائی شفقت و محبت سے ان کی پرورش کی۔ دین و اخلاق کی باتیں سکھائیں۔ نیکی اور بھلائی کی تعلیم دی۔ قرآن شریف سمجھا سمجھا کر پڑھایا، پیارے رسول ﷺ کی حدیثیں پڑھائیں اور ہر طرح ایک بھلا انسان بنانے کی کوشش کی۔ ماں باپ خود نیک تھے، اور ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ ان کا بیٹا بھی دنیا میں نیک بن کر چمکے۔

لیکن شروع میں ان کی تمام کوششیں بے کار گئیں۔ عبداللہ دن رات کھیل کود میں مست رہتے ہر کام میں لاپرواہی برتتے، ہر وقت برائیوں میں پھنسے رہتے، گانا بجانا اور عیش اُڑانا ہی ان کا دن رات کا محبوب مشغلہ تھا، اور جوانی میں تو یار دوستوں کے ساتھ پینا پلانا بھی شروع ہو گیا۔ رات رات بھر دوستوں کی محفلیں جمی رہتیں، ستار بجتے، گانا ہوتا اور شراب کا دور چلتا۔

اللہ کی رحمت نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا:

حضرت عبداللہ کی یہ گھناؤنی زندگی دیکھ کر ماں باپ کی بری حالت تھی۔ نہ کھانا اچھا لگتا نہ پینا۔ اندر ہی اندر کڑھتے اور روتے۔ بیٹے کی تربیت کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا لیکن انسان کے بس میں کیا ہے۔ دلوں کا پھیرنا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اب بھی جو اُن سے بن آتا کرتے رہتے۔ نذریں مانتے، صدقے دیتے، اللہ سے رو رو کر دعائیں کرتے۔

ایک رات عبداللہ کے سارے یار دوست جمع تھے۔ گانے بجانے کی محفل خوب گرم تھی۔ شراب کے دور پر دور چل رہے تھے اور ہر ایک نشے میں مست تھا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ کی آنکھ لگ گئی۔ اور انہوں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا چوڑا خوبصورت باغ ہے اور ایک ٹہنی پر ایک پیاری چڑیا بیٹھی ہوئی ہے، اور اپنی سریلی میٹھی آواز میں قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ رہی ہے:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ

''کیا ابھی تک وہ گھڑی نہیں آئی کہ اللہ کا ذکر سن کر مومنوں کے دل لرز جائیں اور نرم پڑ جائیں'' (سورۃ الحدید، آیت ۱۶)

حضرت عبداللہ گھبرائے ہوئے اٹھے۔ ان کی زبان پر یہ بول جاری تھے ''اللہ تعالیٰ وہ گھڑی آ گئی۔'' اُٹھے، شراب کی بوتلیں پٹک دیں، چنگ وستار چور کر دیئے، رنگین کپڑے پھاڑ ڈالے اور غسل کر کے سچے دل سے توبہ کی اللہ سے پکا عہد کیا کہ اب کبھی تیری نافرمانی نہ ہوگی۔ پھر کبھی کسی برائی کے قریب نہ پھٹکے اور گناہوں سے ایسے پاک ہو گئے کہ گویا کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ سچ ہے توبہ ہے ہی ایسی چیز۔ اگر آدمی سچے دل سے اللہ سے عہد کر لے اور برائیوں سے بچنے کا پکا ارادہ کر لے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی مدد فرماتا ہے اور نیکی کی راہ سجھاتا ہے، پھر نیکی کی راہ پر چلنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اور برائی کی راہ پر

جانا اتنا مشکل ہوجاتا ہے جتنا دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑنا۔ آدمی کو کبھی بھی اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ رات رات بھر گناہوں میں لت پت رہتے، خدا اور رسول کی نافرمانی کرتے، اور ہر ایک کو ان کی زندگی سے گھن آتی۔ لیکن جب انہوں نے سچے دل سے توبہ کی، اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوئے اور اپنے اللہ سے پختہ عہد کیا کہ اب جیتے جی کبھی برائی کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے تو اللہ کی رحمت نے ان کا ہاتھ پکڑا، نیکی کی راہ پر لگایا اور وہ ایسے نیکوں کے نیک بنے کہ اپنے زمانے کے تمام علماء نے ان کو اپنا سردار مانا۔ حدیث کے امام کہلائے۔ اور آج تک دنیا ان کی نیکی اور علم سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

حضرت عبداللہ کا زمانہ:

حضرت عبداللہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں انتقال ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ تو اتنے علوم مرتب ہوئے تھے، نہ سائنس کی یہ تحقیقات سامنے آئی تھیں، نہ اتنے فنون ایجاد ہوئے تھے، نہ باقاعدہ اسکول اور کالج تھے نہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں تھیں۔ بس جگہ جگہ دین کے کچھ علماء تھے، جو قرآن و حدیث کے ماہر تھے، دین کا گہرا علم رکھتے تھے، اور بغیر کچھ فیس لئے لوگوں کو اللہ کا دین سکھاتے تھے، دور دور سے طالب علم سفر کرکے ان کے پاس پہنچتے ان کی صحبت میں رہتے اور ان سے علم حاصل کرتے۔ اس زمانہ کا علم نہ تو دولت کمانے کے لیے تھا، اور نہ ملازمتیں حاصل کرنے کے لیے۔ لوگ اپنے شوق سے پڑھتے، اپنی دولت لٹا کر علم سیکھتے اور پھر پوری بے نیازی کے ساتھ بغیر کسی طلب کے دوسروں کو سکھاتے۔ دوسروں تک دین پہنچانا اور دین کی باتیں سکھانا، اپنا دینی فرض سمجھتے۔

یہ لوگ خوب جانتے تھے کہ دین کا علم حاصل کرنا اور پھیلانا مسلمانوں کا فرض ہے اور خدا کے نزدیک سب سے اچھا اور پسندیدہ کام یہی ہے کہ آدمی علم کی روشنی حاصل کرے، جہالت کے اندھیروں سے نکلے۔ خود علم کی روشنی میں چلے اور دوسروں کو چلائے۔ اللہ کا

دین سیکھ کر لوگوں کو سکھائے، لیکن لوگوں سے کچھ بدلہ نہ چاہے، صرف اللہ سے بدلہ چاہے۔ اسی پاک نیت سے یہ لوگ خود علم حاصل کرتے اور اسی نیت سے دوسروں کو سکھاتے۔

اس زمانہ میں لوگ قرآن، حدیث، فقہ، ادب، شعر، نحو، سب ہی کچھ پڑھتے اور سیکھتے تھے۔ لیکن خاص طور پر حدیث کا بڑا چرچا تھا۔ پیارے رسول ﷺ کی حدیثیں معلوم کرنا، ان کو جمع کرنا، سمجھنا اور یاد رکھنا۔ اسی پر لوگوں کی ساری توجہ رہتی تھی۔ اسی کو سب سے بڑا کام سمجھتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ یہ بہت بڑا علمی اور دینی کام تھا جو اِن بزرگوں نے انجام دیا۔

حدیث:

پیارے رسول ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں جو کچھ کیا، اور فرمایا، پیارے صحابہؓ نے اس کو دیکھا، سنا، یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔ اسی کا نام حدیث ہے۔ صحابہؓ چونکہ دین کی تبلیغ کے لیے مختلف شہروں میں پھیل گئے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ملکوں ملکوں گھومتے تھے اس لیے حدیث کا شوق رکھنے والے ان کے پتے معلوم کر کے دور دور سے سفر کر کے ان کے پاس پہنچتے، ان سے حدیثیں سنتے، لکھتے اور یاد کرتے۔ صحابہ کرام ؓ کو دیکھنے والے ان بزرگوں کو تابعین کہتے ہیں۔ پھر رسول پاک ﷺ کے پیارے صحابہؓ جب دنیا سے رخصت ہوگئے تو تابعین کا زمانہ آیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحابہؓ سے خود حدیثیں سنی تھیں، سمجھی تھیں اور خود اپنی آنکھوں سے ان نیک صحابہؓ کا دیدار کیا تھا۔ جن کی زندگی حدیث رسول ﷺ کی سچی تصویر تھی۔ یہ لوگ مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، جگہ جگہ ان کے علم کی شمع روشن تھیں اور حدیث رسول ﷺ کے پروانے دور دور سے سفر کی سختیاں جھیلتے ہوئے ان کے پاس پہنچتے ان کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے، پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں سنتے اور اسی روشنی کو گھر گھر پہنچانے کا عزم لے کر واپس

لوٹے۔ ان لوگوں کو تبع تابعینؒ کہتے ہیں۔

فقہ:

تابعین اور تبع تابعین نے قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنی پوری پوری عمریں کھپائیں قرآن وحدیث کی باریکیوں کو خوب خوب سمجھا۔ ان کا گہرا علم حاصل کیا اور ان کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اپنی زندگیاں گزاریں۔ لیکن قرآن وحدیث میں یہ تو ہے نہیں کہ انسان کی ضرورت کے سارے چھوٹے بڑے مسئلے بیان کردیئے گئے ہوں، ان میں تو موٹی موٹی اصولی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے ان بزرگوں کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک نیا علم ایجاد کیا، اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی راہ آسان کی۔

ہماری زندگی کی بیشمار ضرورتیں ہیں، قدم قدم پر ہمیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ شریعت کا مسئلہ کیا ہے؟ کس راہ پر چلنا اسلام کے مطابق ہے اور کس راہ پر چلنا اسلام کے خلاف ہے؟ ان بزرگوں نے ہماری ایک ایک ضرورت کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث سے شریعت کے مسئلے اور احکام سمجھنے کے اصول بنائے اور تفصیل کے ساتھ وہ مسئلے اور احکام کتابوں میں جمع کیے۔ اسی علم کا نام ''فقہ'' ہے۔ فقہ کے معنیٰ ہیں ''سوجھ بوجھ''۔ اس علم کو فقہ اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے زندگی کے ہر معاملے کے لیے حکم نکالنا، اور قرآن وحدیث کی منشا کو سمجھنا بڑا سوجھ بوجھ کا کام ہے۔ اس کے لیے دین کے گہرے علم اور انتہائی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ فقہ جاننے والوں اور قرآن وحدیث سے احکام معلوم کرنے والوں کو فقیہ کہتے ہیں۔

ان بزرگوں کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان ہی کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ ہم زندگی کے ہر معاملے میں انتہائی آسان اور اطمینان کے ساتھ دین پر عمل کرسکتے ہیں۔ خدا اور رسول ﷺ کی مرضی پر چل سکتے ہیں اور دین ودنیا کے لحاظ سے ایک کامیاب زندگی گزار

سکتے ہیں۔ رہتی زندگی تک مسلمان ان کی محنتوں اور کوششوں سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے، ان کی قدر کریں گے، ان کے احسان مند رہیں گے اور ان کے اس کارنامے پر فخر کرتے رہیں گے۔

مبارک کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے:

حضرت عبداللہ کا وطن مَرو خراسان کا ایک مشہور علمی شہر ہے۔ جہاں بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ ہر طرف علم کا چرچا تھا۔ پھر ان کے والدین کی انتہائی خواہش بھی یہ تھی کہ ان کا پیارا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔ اس کے لیے شروع ہی سے حضرت کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی اور زمانے کے رواج کے مطابق ان کو پڑھانے لکھانے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ دراصل علم کا شوق ان کی جوانی میں ہوا۔ کتنی مبارک تھی وہ گھڑی جب حضرت عبداللہؒ کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق بخشی اور ان کی زندگی میں ایک پاکیزہ انقلاب آیا اور ہر طرف سے منہ پھیر کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ دین کا علم حاصل کرنے میں لگ گئے اور پھر تو ان کے شوق کا یہ حال ہوا کہ اپنا سب کچھ علم کی راہ میں لٹا دیا۔

ایک مرتبہ ان کے والد نے کاروبار کے لیے ان کو پچاس ہزار درہم دیئے۔ حضرت نے وہ رقم لی اور سفر پر چل دیئے۔ دور دور ملکوں کے سفر کیے۔ بڑے بڑے عالموں کی خدمت میں پہنچے، ان سے فیض حاصل کیا اور حدیث رسول ﷺ کے دفتر کے دفتر جمع کر کے گھر واپس آئے۔

حضرت مبارکؒ بیٹے کی آمد کی خبر سن کر استقبال کے لیے گئے۔ پوچھا ''کہو بیٹے تجارتی سفر کیسا رہا؟ کیا کچھ کمایا؟'' حضرت عبداللہؒ نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے جواب دیا ''ابا جان! خدا کا شکر ہے، میں نے بہت کچھ کمایا۔ لوگ تو ایسی تجارتوں میں رقم لگاتے ہیں جن کا نفع بس اس دنیا کی زندگی ہی میں ملتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی رقم ایک ایسی تجارت میں

لگائی ہے جس کا فائدہ دونوں جہاں میں ملے گا۔'' حضرت مبارکؒ بیٹے کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ پوچھا ''وہ کون سی تجارت ہے جس کا نفع تمہیں دونوں جہاں میں ملے گا؟ بتاؤ تو سہی کیا کما کر لائے ہو؟'' حضرت عبداللہ نے حدیث کے دفتروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہ ہے وہ دونوں جہاں میں نفع دینے والا مال، پیارے رسول ﷺ کے علم کا خزانہ۔ میں نے اسی خزانے کو حاصل کرنے میں اپنی ساری دولت لگا دی۔'' حضرت مبارک کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ اٹھے بیٹے کو گلے لگایا۔ دعائیں دیں۔ اللہ کا شکرادا کیا۔ بیٹے کو گھر لے گئے اور تیس ہزار کی اور رقم دے کر کہا ''بیٹے! یہ لو، اور اگر تمہاری کامیاب تجارت میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس کو پورا کرلو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں برکت دے اور اس کے نفع سے دونوں جہاں میں تمہیں مالا مال کرے۔'' (آمین)

علم کے لیے سفر:

حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں جمع کرنے کے لیے بہت دور دور کے سفر کیے، شہر شہر گھومتے، ملک ملک کی خاک چھانتے، جہاں کسی بڑے عالم کا ذکر سنتے، بس وہیں پہنچنے کی ٹھان لیتے اور حدیث رسول ﷺ کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرنے کی کوشش کرتے۔ شام، مصر، کوفہ، بصرہ، یمن، حجاز کون سا ملک تھا جہاں حضرت عبداللہؒ علم کے شوق میں نہ پہنچے ہوں۔ علم کے لیے آپ نے مصیبتیں جھیلیں۔ کیوں کہ اس زمانہ کا سفر آج کل کا سا تو تھا نہیں کہ تیز رفتار سواریوں میں بیٹھ کر چند گھنٹوں میں آدمی کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ اس زمانہ میں یا تو لوگ پیدل چلتے یا پھر اونٹوں اور خچروں پر سفر کرتے۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچنے میں مہینوں لگ جاتے۔ لیکن حضرت عبداللہؒ حدیث کے شوق میں ان تکلیفوں سے ہرگز نہ گھبراتے، راستے کی دشواریوں نے کبھی ان کے قدم نہ روکے۔ وہ اپنے زمانے کے تمام بڑے اور ممتاز عالموں کے پاس پہنچے، اور حدیث رسول

ﷺ کے ان زندہ چشموں سے علم کی پیاس بجھائی۔ حضرت کے مشہور شاگرد امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''دین کا علم حاصل کرنے کے لیے حضرت عبداللہؒ سے زیادہ سفر کرنے والا ان کے زمانہ میں کوئی اور نہ تھا۔''

حضرت عبداللہؒ کا خود اپنا بیان ہے کہ ''میں نے چار ہزار استادوں سے علم حاصل کیا۔'' ظاہر ہے کہ یہ چار ہزار استاد کسی ایک شہر میں تو ہوں گے نہیں۔ ان سب کے پاس پہنچنے کے لیے آپ نے طول طویل سفر کیے ہوں گے، اور سالوں مشقتیں برداشت کی ہوں گی۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا، آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟ فرمایا ''موت تک ہوسکتا ہے کہ وہ بات مجھے اب تک معلوم نہ ہوئی ہو جو میرے کام کی ہو۔''

مشہور اساتذہ:

حضرت کے بعض استاد بہت مشہور ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے بنانے میں ان مخلص اساتذہ کی پاک نیت، محنت اور صحبت کو بڑا دخل ہے۔ اپنے تمام اساتذہ میں ان کو سب سے زیادہ محبت امام ابوحنیفہؒ سے تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ فقہ امام صاحب کا خاص مضمون تھا۔ حضرت عبداللہؒ نے امام صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر فقہ میں بہت کچھ مہارت پیدا کرلی تھی۔ امام مالکؒ تو ان کو ''خراسان کا فقیہ'' کہا کرتے تھے۔ ان کے ایک استاذ حضرت سفیان ثوریؒ تھے، ان کی صحبت سے بھی حضرت نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے۔

''اگر امام ابوحنیفہؒ اور حضرت سفیانؒ ثوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع اللہ تعالیٰ نہ بخشتا تو سچی بات یہ ہے کہ میں بھی عام لوگوں کی طرح ہوتا۔''

پھر جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوگیا تو وہ مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ امام مالکؒ ان کو بہت مانتے تھے اور وہ بھی امام مالکؒ کا بڑا احترام

کرتے تھے۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی ان کے بہت سے مشہور استاذ ہیں جن سے انہوں نے فیض حاصل کیا۔

حدیث کا شوق:

یوں تو حضرت عبداللہؒ تمام ہی علوم میں مانے ہوئے تھے لیکن علم حدیث سے ان کو خاص لگاؤ تھا۔ حدیثیں جاننے، یاد کرنے اور جمع کرنے کا ان کو انتہائی شوق تھا اور اسی شوق کی برکت تھی کہ یہ حدیث کے امام کہلائے۔ حج، جہاد اور عبادت سے جو وقت بچتا اس کو علم حدیث حاصل کرنے میں لگاتے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ گھر سے نکلتے ہی نہیں۔ ایک بار کسی نے پوچھا، آپ اکیلے گھر میں پڑے رہتے ہیں، طبیعت نہیں گھبراتی؟ اس سوال پر ان کو بہت تعجب ہوا، فرمانے لگے ''تعجب ہے گھر میں جب ہر وقت مجھے پیارے رسولؐ اور پیارے صحابہ ﷺ کی صحبت حاصل ہے تو گھبرانا کیسا؟'' کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ رات میں اگر حدیث رسول ﷺ کا ذکر چھڑ جاتا تو پوری پوری رات جاگنے میں کٹ جاتی۔ علی ابن حسنؒ ان کے زمانے کے ایک مشہور عالم ہیں ایک دن کا قصہ سناتے ہیں کہ عشار کی نماز پڑھ کر یہ دونوں بزرگ دروازے سے نکل رہے تھے۔ مسجد کے دروازہ پر علی ابن حسنؒ نے کسی حدیث کے بارے میں پوچھ لیا، پھر کیا تھا۔ حضرت عبداللہؒ نے اپنے علم کے دریا بہانے شروع کر دیئے۔ رات بھر یہی عالم رہا۔ جب مؤذن نے صبح کی اذان دی تو انہیں محسوس ہوا کہ صبح ہوگئی۔ مسجد کے دروازے پر کھڑے کھڑے ساری رات گزار دی۔

حضرت کی زندگی مجاہدانہ تھی۔ کبھی حج میں ہیں تو کبھی جہاد کے میدان میں، کبھی مصر میں ہیں تو کبھی حجاز میں، کبھی بغداد میں ہیں تو کبھی رقہ میں۔ غرض ایک جگہ جم کر کبھی نہیں بیٹھے۔ لیکن جہاں پہنچتے یہی شوق لیے ہوئے پہنچتے اور ہزاروں علم کے پیاسے اس رواں دواں چشمے سے سیراب ہونے کے لیے جمع ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے فائدہ اٹھانے والوں

کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار میں نہیں آسکتی۔

شہرت:

دور دور کے لوگ ان سے فیضیاب ہوئے۔ ہر جگہ ان کے علم وفضل کے چرچے ہونے لگے۔ بڑے بڑے علماء کو ان کے دیکھنے کا شوق تھا، ان سے ملنے کی تمنا تھی۔ ہر جگہ ان کی بزرگی اور کمال کے تذکرے تھے۔ ان کے علم وفضل کی قدر تھی۔ حضرت سفیان ثوریؒ اگرچہ ان کے استاد تھے اور خود حضرت عبداللہؒ بھی ان کو بہت مانتے تھے لیکن وہ بھی حضرت کے علم وکمال سے بہت متاثر تھے۔ ایک بار خراسان کے رہنے والے کسی شخص نے حضرت سفیانؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا، تو فرمایا بھئی مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ تمہارے یہاں تو خود مشرق ومغرب کے سب سے بڑے عالم موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ ان کے ہوتے ہوئے ہم سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہی سفیانؒ کا واقعہ ہے کہ ایک بار کسی نے حضرت عبداللہ کو "مشرق کا عالم" کہہ دیا تو بہت خفا ہوئے اور ڈانٹ کر کہا عبداللہ کو "مشرق ومغرب کا عالم" کہا کرو۔

آپ کی شہرت دور دور پھیل چکی تھی۔ بے دیکھے لوگوں کو آپ سے عقیدت تھی۔ ایک بار حضرت حماد بن زیدؒ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ اس وقت کے بہت بڑے محدث تھے۔ عراق کے شیخ مانے جاتے تھے۔ جب حضرت عبداللہؒ ان کے پاس پہنچے تو پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا خراسان۔ شیخ عراقؒ نے کہا، خراسان تو بہت بڑا ملک ہے، خراسان کے کس شہر سے آئے ہو؟ حضرت نے بتایا کہ "مرو" سے۔ مرو کا نام سنتے ہی شیخ عراقؒ نے پوچھا تب تو آپ حضرت عبداللہ کو جانتے ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا، وہ تو آپ کی خدمت میں موجود ہے۔ شیخ عراق حضرت حماد بن زیدؒ کی نگاہیں عقیدت سے جھک گئیں۔ اٹھ کر حضرت عبداللہؒ کو گلے سے لگایا، اور نہایت عزت واحترام سے پیش آئے۔

مقبولیت:

شہرت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقبولیت بھی ایسی بخشی تھی کہ جہاں جاتے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ عقیدت و محبت سے آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے اور آپ سے مل کر ایمان میں تازگی محسوس کرتے۔ کوئی ایسی بستی نہ تھی جہاں کے لوگ آپ کو دل سے نہ چاہتے ہوں اور آپ سے محبت نہ کرتے ہوں۔

ایک مرتبہ آپ شہر رقہ تشریف لے گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید بھی وہاں موجود تھے۔ شہر میں ہر طرف آپ کے آنے کا چرچا تھا، استقبال کی تیاریاں تھیں اور لوگ جوق در جوق آپ کو دیکھنے اور آپ کے دیدار سے آنکھوں کو روشن کرنے کے لیے چلے آ رہے تھے۔ ہر طرف خوشی اور مسرت سے لوگوں کے چہرے دمک رہے تھے اور ہر ایک بے اختیار کھنچا چلا آ رہا تھا۔

شاہی بالا خانے پر ہارون الرشید کی ایک لونڈی بیٹھی ہوئی یہ منظر دیکھ رہی تھی، بہت حیران ہوئی کہ آخر ایسا کون سا شخص ہے جس کو دیکھنے اور جس سے ملنے کے لیے یہ لوگ اتنے بیتاب ہیں اور دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا، مشرق و مغرب کے عالم حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ تشریف لا رہے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے یہ مخلوق دوڑی چلی جا رہی ہے۔ سچی بادشاہی تو حضرت عبداللہ ہی کو حاصل ہے کہ لوگ اپنے جذبہ اور شوق سے کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ بھلا ہارون کی بھی کوئی بادشاہی ہے، کہ لوگ فوج اور ڈنڈے کے زور سے لائے جاتے ہیں اور سزا کے ڈر سے جمع ہوتے ہیں۔

جب موصل کے قریب قصبہ ہیئت میں ان کی وفات ہوئی تو لوگوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ ہیئت کا حاکم حیران تھا، بہت متاثر ہوا اور فوراً اپنی دارالسلطنت بغداد میں اس کی اطلاع بھجوائی۔

امام مالکؒ نے اپنی مسند پر ابن مبارک کو بٹھایا:

ایک مرتبہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں امام مالکؒ سے ملنے کے لیے پہنچے۔ امام مالکؒ اپنی شاہانہ شان کے ساتھ طلباء کو حدیث پڑھانے میں مشغول تھے، جونہی آپ کو دیکھا، فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے، آپ سے گلے ملے اور نہایت عزت کے ساتھ آپ کو اپنی مسند پر بٹھایا اس سے پہلے امام مالکؒ کسی کے لیے مجلس سے نہیں اٹھتے تھے اور نہ ہی کسی کو اس عزت کے ساتھ اپنے قریب مسند پر بٹھایا تھا۔ طلباء کو اس واقعہ پر بڑی حیرت تھی۔ امام مالکؒ نے بھی طلباء کی اس حیرت کو بھانپ لیا۔ سمجھاتے ہوئے فرمایا ''عزیزو! یہ خراسان کے فقیہ ہیں۔''

سوچنے کی بات:

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیوں لوگ حضرت عبداللہؒ کو دل و جان سے چاہتے تھے؟ اور کیوں آپ پر جان چھڑکتے تھے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے:

''جو لوگ (سچے دل سے) ایمان لائے اور (پھر) بھلے کام کیے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل میں ان کی محبت بھر دے گا۔''

حضرت عبداللہؒ کی مبارک زندگی اس آیت کی سچی تصویر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آدمی سچے دل سے ایمان لا کر بھلے کاموں سے اپنی زندگی سنوار لے تو واقعی اس لائق ہے کہ دونوں جہاں میں اس کی قدر ہو۔ حضرت کی زندگی کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ نیکی اور بھلائی کا نمونہ تھے۔ اسلام کا ایک نشان تھے، کہ ہمیشہ کے لیے لوگ ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ یوں تو آپ کی زندگی سرتاسر بھلائی اور نیکی ہی تھی لیکن چند خوبیاں ایسی اُبھری ہوئی تھیں کہ حضرت کا

نام سنتے ہی ان خوبیوں کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

(۱) خدا کا خوف۔ (۲) دین کی صحیح سمجھ۔ (۳) عبادت۔(۴) حدیث رسول ﷺ سے محبت۔ (۵) امیروں سے بے نیازی۔(۶) عاجزی اور تواضع۔(۷) مخلوق کے ساتھ سلوک۔ (۸) دین کی اشاعت۔ (۹) جہاد کا شوق۔

خدا کا خوف:

خدا کا خوف تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔اس آدمی سے بھلائی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی جس میں خدا کا خوف نہ ہو۔ بری باتوں سے رُکنا، اچھے کاموں کی طرف بڑھنا، لوگوں کے حقوق کا خیال، ذمہ داری کا احساس، غریبوں کے ساتھ سلوک، لین دین اور معاملات میں سچائی اور دیانت، غرض ہر نیکی کی جڑ خدا کا خوف ہے۔

قیامت کے دن خدا کے سامنے پیشی ہوگی، وہ ہم سے پل پل کا حساب لے گا۔ایک ایک کام کی پوچھ گچھ ہوگی۔ یہ یقین نیکی کی ضمانت ہے، یہ یقین رکھنے والا شخص کبھی کسی کو دھوکہ نہ دے گا، کسی برائی کے قریب نہ پھٹکے گا، کسی غیر ذمہ داری کی حرکت نہ کرے گا۔کبھی کسی کا حق نہ مارے گا، کبھی کسی کا دل نہ دکھائے گا۔ ہر آدمی کو اس سے بھلائی کی امید ہوگی اور ہر حال میں وہ سچائی پر قائم رہے گا۔خدا سے ڈرنے والا بڑے سے بڑے خطرے سے نہیں ڈر سکتا۔اس شخص کے دل میں ایمان ہی نہیں ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا۔

مدینہ کے مشہور عالم حضرت قاسم ابن احمدؒ اکثر سفر میں حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہتے تھے۔ایک بار فرمانے لگے، میں کبھی کبھی یہ سوچتا تھا کہ آخر حضرت عبداللہؓ میں وہ کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے ان کی اتنی قدر ہے۔اور ہر جگہ پوچھ ہے۔نماز وہ بھی پڑھتے ہیں، ہم بھی پڑھتے ہیں، روزہ وہ رکھتے ہیں تو ہم بھی رکھتے ہیں، وہ حج کو جاتے ہیں تو ہم بھی جاتے ہیں وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ کسی بات

میں ہم ان سے پیچھے نہیں ہیں، لیکن پھر بھی جہاں دیکھئے لوگوں کی زبان پر انہی کا نام ہے اور انہی کی قدر ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ شام کے سفر پر جا رہے تھے، راستے میں رات ہوگئی ایک جگہ ٹھہر گئے۔ کھانے کے لیے جب سب لوگ دسترخوان پر بیٹھے تو اتفاق کی بات کہ یکا یک چراغ بجھ گیا۔ خیر ایک آدمی اُٹھا اور اس نے چراغ جلایا۔ جب چراغ کی روشنی ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عبداللہؒ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ چراغ بجھنے سے گھبرائے تو ہم سب ہی تھے، لیکن حضرت عبداللہؒ تو کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے، انہیں قبر کی اندھیریاں یاد آگئیں اور ان کا دل بھر آیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ خدا کا خوف اور اس کے سامنے حاضری کا ڈر ہے جس نے حضرت کو اس اونچے مقام پر پہنچا دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس بات میں ہم ان سے پیچھے ہیں۔

حضرت امام احمد حنبلؒ فرمایا کرتے تھے ''حضرت عبداللہؒ کو یہ اونچا مرتبہ اسی لیے ملا کہ وہ خدا سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔''

ذمہ داری کا احساس اتنا تھا کہ ایک مرتبہ شام میں کسی سے لکھنے کے لیے قلم لے لیا اور دینا یاد نہیں رہا۔ جب اپنے وطن مرو واپس آگئے تو یاد آیا۔ گھبرا گئے۔ فوراً سفر کا ارادہ کیا۔ شام مرو سے سیکڑوں میل دور ہے۔ سفر کی تکلیفیں اُٹھاتے ہوئے شام پہنچے اور جب اس شخص کو قلم دیا تو اطمینان کا سانس لیا۔ فرمایا کرتے تھے ''اگر شبہ میں تمہارے پاس کسی کا ایک درہم رہ جائے تو اس کا واپس کرنا لاکھ روپیہ صدقہ کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔ ان ہی کا ایک شعر ہے

مَنْ رَّقَبَ اللّٰهَ رَجَعَ ☆ عَنْ سُوْٓءٍ مَا كَانَ مَنَعَ

''جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی برائی کے قریب نہیں پھٹکتا۔''

دنیا سے بے رغبتی اور زہد پر آپ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "کتاب الزھد" ہے۔ جب شاگردوں کو یہ کتاب پڑھاتے تو ان کا دل بھر آتا، آنکھوں میں آنسو آجاتے اور آواز گھٹنے لگتی۔

دین کی صحیح سمجھ:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے "خدا جس کو بھلائی سے نوازنا چاہتا ہے، اس کو دین کی گہری سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ دین کی صحیح سمجھ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اگر دین کی سمجھ سے آدمی محروم ہو تو کبھی دین پر صحیح صحیح عمل نہیں کرسکتا، زندگی کے بہت سے معاملات میں دین کا تقاضا کچھ ہوگا اور وہ کچھ عمل کرے گا اور اس طرح اس کی ذات سے دین کو فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان پہنچے گا۔ بہت سی باتوں کو وہ دینداری سمجھ کر اختیار کرے گا حالانکہ وہ باتیں دین کے خلاف ہوں گی۔

خدا کا دین ایک فطری دین ہے وہ انسانی ضرورتوں کا لحاظ کرتا ہے۔ انسان کے جذبات کا لحاظ کرتا ہے اور ہر ہر بات میں اعتدال اور میانہ روی کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ وہ بندوں کو خدا کے حقوق بھی بتاتا ہے اور بندوں کے حقوق بھی اور ایسی جامع ہدایت دیتا ہے کہ اگر آدمی ان ہدایات کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان کی پیروی کرے تو وہ دنیا کے لیے رحمت کا سایہ بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کے معاملات کو روشنی میں دیکھتا ہے اور کبھی کسی کا حق نہیں مارتا۔ مثلاً آپ سوچئے کہ ایک شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے ایک جنگل کا سفر کر رہا ہے، اس کے ساتھ اس کا ساتھی بھی سفر کر رہا ہے۔ یہ شخص بڑے جذبے کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں مشغول ہے۔ آگے ایک ندی آئی ندی میں پانی تھوڑا معلوم ہو رہا ہے اور اس کا ساتھی پار جانے کے لیے بے دھڑک ندی میں کود پڑتا ہے۔ اتفاق کی بات جہاں وہ کودتا ہے وہ گہرا گڑھا ہے، اور وہ ڈوبتے ڈوبتے بچتا ہے۔ جب وہ باہر نکل کر آتا ہے تو اپنے ساتھی سے کہتا

ہے کہ آپ تو اکثر و بیشتر اس راستے پر سفر کرتے ہیں، اور آپ کو یہ نہیں معلوم کہ یہاں اتنا گہرا گڈھا ہے۔ اتنی دیر میں وہ قرآن پاک کی سورت پوری کر کے اپنے اوپر دم کر لیتا ہے اور کہتا ہے بھائی مجھے تو خوب معلوم تھا کہ یہاں گہرا گڈھا ہے اور خدا نے خیر کر دی کہ تم بچ گئے مگر میں تمہیں کیسے بتاتا میں تو قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اور سورت پوری نہیں ہوئی تھی۔

آپ ہی سوچئے اس شخص کا یہ عمل کیسا ہے؟ بے شک قرآن شریف کی تلاوت ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن جب اس شخص کی جان جا رہی ہو تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قرآن پڑھتا رہے، اور رک کر اس کو یہ نہ بتائے کہ آگے جان کا خطرہ ہے۔ دراصل یہ دین کی صحیح سمجھ سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ یہ دینداری کی غلط مثال ہے۔

اور سوچئے، ایک شخص ہر وقت خدا کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔ جب دیکھو نفل پڑھ رہا ہے، تسبیح پڑھ رہا ہے، قرآن کی تلاوت کر رہا ہے اور لوگوں کو دین کی باتیں بھی سمجھا رہا ہے لیکن اس کے بچے اکثر فاقے سے رہتے ہیں، ان کے بدن پر کپڑے نہیں ہیں، وہ بھوک سے بیتاب ہو کر پاس پڑوس سے مانگنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور جب اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ بھائی تم دن رات وظیفے پڑھنے اور تلاوت کرنے میں مشغول رہتے ہو، آخر کچھ محنت مزدوری کیوں نہیں کرتے؟ تمہارے بچوں کا یہ حال ہے۔ وہ بڑے فخر سے کہتا ہے خدا کے دربار سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ بہت سا وقت اس کی عبادت میں گزر جاتا ہے۔ کمانا اور دنیا جمع کرنا تو دنیاداروں کا کام ہے۔ مومن کو تو خدا نے عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تو بتایئے اس شخص کا یہ عمل دین کی ہدایت کے لحاظ سے کتنا غلط ہے؟ لیکن وہ سمجھتا ہے کہ میں دیندار ہوں، اور بچوں کو بھوکا مار کر نفل پڑھتے رہنا بہت بڑی دینداری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی اگر دین کی صحیح سمجھ سے محروم ہو تو وہ کبھی بھی دین پر صحیح عمل نہیں کر سکتا اور لوگ اس کو دیکھ کر ہمیشہ دین کے بارے میں غلط تصور قائم کریں گے۔ اگر آدمی

دین کی صحیح سمجھ رکھتا ہو تو وہ کبھی ایسی حرکتیں نہیں کرسکتا۔ نبی ﷺ نے ایک بار فرمایا ''میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اور سوچتا ہوں کہ نماز لمبی پڑھاؤں کہ اتنے میں کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو مختصر کردیتا ہوں۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ لمبی نماز پڑھا کر بچے کی ماں کو پریشان کروں۔''

عجیب و غریب حج:

حضرت عبداللہؒ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے ماہر تھے۔ نبی ﷺ کے مزاج اور دین کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صحیح دینداری کیا ہے؟

ایک بار آپ حج کو جارہے تھے۔ سفر میں ایک مقام پر ایک لڑکی کو دیکھا کہ کوڑے پر سے کچھ اٹھا رہی ہے۔ ذرا اور قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے چاری ایک مری ہوئی چڑیا کو جلدی جلدی ایک چیتھڑے میں لپیٹ رہی ہے۔ حضرت وہیں رک گئے اور حیرت و محبت کے ساتھ اس غریب بچی سے پوچھا ''بیٹی! تم اس مردار چڑیا کا کیا کرو گی؟'' اور اپنے پھٹے پرانے میلے کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ رُندھی ہوئی آواز میں بولی: ''چچا میاں! ہمارے ابا کو کچھ ظالموں نے قتل کردیا۔ ہمارا سب مال چھین لیا اور ساری جائداد ہتھیا لی۔ اب میں ہوں اور میرا ایک بھائی ہے۔ خدا کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ اب ہمارے پاس نہ کھانے کے لیے کچھ ہے، اور نہ پہننے کے لیے۔ کئی کئی وقت ہم پر ایسے ہی گذر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ہم چھ وقت کے فاقے سے ہیں۔ بھیا گھر میں بھوک سے نڈھال پڑا ہے۔ میں باہر نکلی کہ شاید کچھ مل جائے۔ یہاں آئی تو یہ مردار چڑیا پڑی ملی۔ ہمارے لیے یہ بھی بڑی نعمت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے فاقہ کی ماری بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حضرت کا دل بھر آیا۔ بچی کے سر پر ہاتھ رکھا، اور خود بھی رونے لگے۔ اپنے خزانچی سے

پوچھا ''اس وقت تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟''

''حضرت ایک ہزار اشرفیاں ہیں؟'' خزانچی نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں مرو تک پہنچنے کے لیے بیس اشرفیاں کافی ہوں گی۔'' حضرت نے پوچھا۔

''جی ہاں، بیس اشرفیاں گھر تک پہنچنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔'' خزانچی نے جواب دیا۔

''تو پھر تم بیس اشرفیاں روک لو اور باقی ساری رقم اس لڑکی کے حوالے کر دو۔ ہم اس سال حج کو نہیں جائیں گے۔ یہ حج کعبہ کے حج سے بھی زیادہ بڑا ہے۔'' حضرت نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

خزانچی نے ساری رقم لڑکی کے حوالے کر دی، غم اور فاقہ سے کملایا ہوا چہرا ایک دم کھل اٹھا اور لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی خوشی خوشی اپنے گھر کو لوٹ گئی۔

حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور خزانچی سے فرمایا ''چلو اب یہیں سے گھر کو واپس چلیں، خدا نے یہیں ہمارا حج قبول فرما لیا۔''

عبادت:

عبادت کا شوق مومن کی پہچان ہے۔ مومن ہر وقت بے چین ہوتا ہے کہ اسے خدا سے قریب ہونے کا موقع ملے۔ اس کے دربار میں حاضر ہو۔ اس کی چوکھٹ پر سر جھکانے کی عزت ملے۔ عبادت ہی کے ذریعہ بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے اور عبادت کر کے ہی دنیا میں خدا سے ملنے کی تمنا پوری کرتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ عبادت میں پیارے صحابہؓ کا سچا نمونہ تھے۔ عبادت گزاری اور شب

بیداری میں بے مثال تھے۔ حضرت سفیان ابن عیینہؒ مکہ کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ فرماتے تھے جب میں صحابہؓ کرام کے حالات پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں تو حضرت عبداللہؒ کو کسی چیز میں بھی ان سے کم نہیں پاتا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہ تھی کہ ان کی راتیں نمازوں میں گزرتیں اور دن میدانِ جہاد میں اور یہی حال حضرت عبداللہؒ کا ہے۔ لیکن ہاں ایک چیز ایسی ہے جو حضرت عبداللہؒ کو حاصل نہیں ہے اور وہ ''پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت'' ہے۔ ظاہر ہے صحابہؓ کی اس فضیلت کو کون پاسکتا ہے؟ یہ تو اللہ کا ایک ایسا انعام ہے کہ اس میں قیامت تک کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا اور یہی وجہ ہے کہ امت میں صحابہ کرامؓ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت کی عبادت گزاری اور بزرگی کا کسی قدر اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کے زمانے کے بڑے بڑے زاہد اور عابد و بزرگ ان کو اپنا سردار مانتے تھے اور ان سے اس لیے محبت کرتے تھے کہ خدا کا قرب حاصل کریں۔

حضرت ذہبیؒ ایک مشہور محدث اور بہت بڑے زاہد و عابد گزرے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے، ''حضرت عبداللہ میں کون سی خوبی نہیں ہے۔ خدا ترسی، عبادت، خلوص، جہاد، زبردست علم، دین میں مضبوطی، حسن سلوک، بہادری۔ خدا کی قسم مجھے ان سے محبت ہے اور ان کی محبت سے مجھے بھلائی کی امید ہے۔''

حج کے شوق کا یہ حال تھا کہ سال کو تین حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ چار مہینے حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزارتے، چار مہینے جہاد میں رہتے اور چار مہینے حج کے سفر میں رہتے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے ''میں نے بہت کوشش کی کہ کم از کم ایک سال ہی حضرت عبداللہؒ کی طرح زندگی گزارلوں۔ لیکن کبھی کامیاب نہ ہوا۔'' کبھی کبھی فرماتے ''کاش میری پوری زندگی حضرت عبداللہؒ کے تین دن کے برابر ہوتی۔''

حدیث رسول ﷺ سے محبت:

وہ شخص مومن ہی نہیں ہے جس کے دل میں خدا کے رسول ﷺ کی محبت نہ ہو۔ آج ہم میں پیارے رسول ﷺ خود تو موجود نہیں ہیں لیکن آپ ﷺ کی پیاری زندگی کی ہو بہو تصویر حدیث میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، رہنا سہنا، نماز، روزہ، وعظ اور نصیحت سب ہی کچھ حدیث میں موجود ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کرنے والا بھلا کون ہوگا جو حدیث رسول ﷺ پڑھنے پڑھانے کو اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی نہ سمجھتا ہو۔ اور دن رات اس آئینے میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی صورت دیکھنے کا خواہش مند نہ ہو۔

حضرت عبداللہؓ کا حال تو یہ تھا کہ گھر سے نکلتے ہی نہ تھے۔ ہر وقت گھر میں تنہا بیٹھے حدیث رسول ﷺ میں مشغول رہتے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت! تنہا گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟ فرمایا ''خوب! میں تو ہر وقت پیارے رسول ﷺ اور صحابہؓ کی مجلس میں ہوتا ہوں، ان کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہوں اور ان سے بات چیت میں مشغول ہوتا ہوں، پھر گھبرانا کیسا؟'' یہی وجہ ہے حدیث کی مشہور کتابوں میں آپ کی بیان کی ہوئی حدیثیں اکیس ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ اور حدیث کے علماء ان کو علم حدیث میں امیر المومنین اور امام المسلمین کہا کرتے تھے۔

حضرت فضالہؓ فرماتے ہیں ''جب کبھی کسی حدیث کے بارے میں علماء میں اختلاف ہوتا، تو کہتے چلو حدیث کی نبض پہچاننے والے ''طبیب حدیث'' سے پوچھیں۔'' یہ طبیب حدیث حضرت عبداللہؓ ہی تھے۔

جس طرح آپ کو حدیث سے محبت تھی، ایسا ہی آپ حدیث کا ادب بھی کرتے تھے، کبھی اگر کسی کی زبان سے کوئی بے ادبی کی بات سنتے، یا کوئی بے ادبی کرتے دیکھتے تو غصہ سے چہرہ سرخ ہو جاتا اور بہت خفا ہوتے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ راستہ چلتے لوگ کسی

عالم کو روک کر مسئلے پوچھنے لگتے ہیں، آپ اس کو بہت برا سمجھتے تھے۔ ایک بار راستے میں کسی نے حدیث کے بارے میں ان سے کچھ پوچھا۔ غصہ میں چپ ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ "یہ حدیث رسول ﷺ پوچھنے کی جگہ نہیں ہے۔" مطلب یہ تھا کہ حدیث گلی، کوچوں میں پوچھنے کی چیز نہیں ہے۔ "اگر تمہیں حدیث جاننے کا شوق ہے تو کسی کے پاس جا کر ادب سے پوچھو۔" سچی بات بھی یہ ہے کہ جو شخص علم کا ادب نہیں کرتا اس کو کبھی علم نہیں آسکتا۔

امیروں سے بے نیازی:

حضرت عبداللہؒ دنیا دار حکمرانوں اور امیروں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ وہ ان کے پاس جانا علم کی ناقدری سمجھتے تھے۔ جس کو اللہ نے علم کی ختم نہ ہونے والی دولت دے رکھی ہو، اس کی نظر میں دنیا کی فنا ہونے والی دولت کی کیا قدر ہو سکتی ہے؟ مغرور حاکموں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ لیکن دین کے سچے عالموں نے کبھی ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ان سے بے نیاز رہے۔ ہزار تکلیفیں اٹھائیں لیکن کبھی ان کی چوکھٹ پر حاضری نہ دی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "بادشاہوں کی ڈیوڑھیوں پر فتنے اس طرح جمے بیٹھے رہتے ہیں جیسے اونٹ اپنی تھانوں پر۔ خدا کی قسم ان کی ڈیوڑھی پر جا کر جتنی دنیا کماؤ گے اس سے زیادہ وہ تمہارا دین تم سے لے لیں گے۔" ایک اور بزرگ حضرت وہب ابن منبہؒ فرمایا کرتے تھے "مال جمع کرنا اور بادشاہوں کے دربار میں حاضری دینا دونوں باتیں آدمی کے دین کو اس طرح چٹ کر جاتی ہیں جس طرح دو خونخوار بھیڑیئے اگر بکریوں کے باڑے میں ایک رات رہ جائیں۔"

حضرت قتادہؒ فرمایا کرتے تھے "سب سے برے حاکم وہ ہیں جو عالموں سے دور رہتے

ہیں اور سب سے برے عالم وہ ہیں جو حاکموں اور مالداروں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔"

حضرت عبداللہؒ خود تو مالداروں اور مغرور حاکموں سے بچتے ہی تھے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی سختی کے ساتھ روکتے تھے۔ ہارون الرشید نے کئی مرتبہ حضرت سے ملنا چاہا لیکن آپ نے ہمیشہ ٹال دیا۔

اسماعیل بن علیہؒ حضرت کے عزیز دوست تھے، بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ کاروبار میں بھی حضرت کے شریک تھے۔ جب انہیں صدقات کی وصولی کا اونچا عہدہ ملا تو حاکموں اور امیروں کے پاس آنا جانا بھی شروع ہو گیا۔ ایک دن حضرت عبداللہ کے پاس ملنے آئے تو حضرت نے کوئی توجہ ہی نہ دی۔ ان کو بہت رنج ہوا، گھر گئے اور صدمہ میں ایک لمبا خط اپنے استاد حضرت عبداللہ کو لکھا۔ اپنے رنج وغم کا اظہار کیا۔ جواب میں حضرت نے چند شعر لکھ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا:

"تم دین کے علم سے دنیا سمیٹنے لگ گئے ہو، دنیا کی لذتوں کے پیچھے پڑ گئے ہو، یہ لذتیں تمہارے دین کو پھونک کر رکھ دیں گی۔ تم تو خود وہ حدیثیں بیان کرتے تھے جن میں دنیا دار حاکموں سے میل بڑھانے سے ڈرایا گیا ہے۔ دیکھو دنیا پرست پادریوں کی طرح دین سے دنیا نہ کماؤ۔"

حضرت اسماعیلؒ یہ اشعار پڑھ کر رونے لگے۔ اسی وقت اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور کبھی کسی حاکم کی ڈیوڑھی پر نہیں گئے۔

عاجزی اور تواضع:

حضرت عبداللہؒ کی شان ایک طرف تو یہ تھی کہ بڑے بڑے حاکموں کو بھی منہ نہ لگاتے تھے اور دوسری طرف حال یہ تھا کہ ہر وقت لوگوں کی خدمت میں لگے رہتے، لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے، ہر ایک سے خاکساری اور تواضع سے پیش آتے، کبھی اپنی بڑائی کا

اظہار نہ کرتے۔ فرمایا کرتے شہرت سے ہمیشہ بچتے رہو۔ گمنامی میں بھلائی ہے۔ لیکن کسی پر یہ بھی نہ ظاہر ہونے دو کہ تم گمنامی کو پسند کرتے ہو، اس سے بھی غرور پیدا ہو سکتا ہے۔

مَرو میں آپ کا ایک بہت بڑا مکان تھا۔ اور ہر وقت عقید تمندوں اور شاگردوں کی بھیڑ رہتی تھی کچھ دنوں تو آپ نے برداشت کیا۔ لیکن جب دیکھا روز بروز زیادتی ہی ہو رہی ہے تو کوفہ چلے گئے اور وہاں ایک چھوٹی سی اندھیری کوٹھری میں رہنے لگے۔ لوگوں نے ہمدردی کرتے ہوئے کہا حضرت یہاں اس اندھیری کوٹھری میں تو آپ کی طبیعت گھبراتی ہوگی؟ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا: لوگ عقیدت مندوں کے ہجوم میں رہنا پسند کرتے ہیں اور میں اس سے بھاگتا ہوں اسی لیے تو مَرو سے کوفہ بھاگ کر آیا ہوں۔

ایک مرتبہ کسی سبیل پر پانی پینے کے لیے پہنچے۔ وہاں بھیڑ تھی۔ لوگوں کا ریلا آیا تو دور جا گرے۔ واپسی میں اپنے ساتھی حضرت حسنؒ سے کہنے لگے، زندگی ایسی ہی ہو کہ نہ لوگ ہمیں پہچانیں اور نہ ہمیں کوئی بڑی چیز سمجھیں۔

ایک بار لوگوں نے ان سے پوچھا، حضرت تواضع کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا تواضع یہ ہے کہ تمہاری خودداری تمہیں مالداروں سے دور رکھے۔

مخلوق کے ساتھ سلوک:

کسی شخص کی نیکی اور دینداری کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟ حضرت عبداللہؒ ہر ایک کے کام آتے اور اپنے پرائے کا خیال کیے بغیر ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ وہ غیروں پر اپنی دولت اس طرح لٹاتے کہ کوئی اپنوں پر بھی کیا لٹائے گا۔

حج کے لیے تو ہر سال جاتے ہی تھے، بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو لیتے۔ سفر پر جاتے ہوئے آپ صرف اپنے ہی کھانے کا انتظام نہ کرتے، بلکہ اپنے ساتھیوں کے لیے

بھی کھانے پینے کا انتظام کر کے چلتے۔ ایک سال تو لوگوں نے یہ دیکھا کہ ان کے ساتھ دو اونٹوں پر صرف بھنی ہوئی مرغیاں لدی ہوئی تھیں۔ حج کو روانہ ہونے سے پہلے اپنے تمام ساتھیوں سے کہتے کہ اپنی اپنی رقمیں میرے پاس جمع کرو۔ سب سے رقم لے کر الگ الگ تھیلیوں میں رکھ لیتے اور ہر تھیلی پر دینے والے کا نام اور رقم کی مقدار لکھتے۔ پھر راستہ بھر اپنے پاس سے خرچ کرتے۔ اچھے سے اچھا کھلاتے لوگوں کے آرام کا خیال رکھتے اور ہر طرح کی سہولت پہنچانے کی کوشش کرتے۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچتے تو ساتھیوں سے کہتے، اپنے گھر والوں کے لیے ضرورت کی جو چیزیں لینا چاہو لے لو۔ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیتے۔ حج سے واپس آ کر اپنے سارے ساتھیوں کی دعوت کرتے اور پھر ہر ایک کو اس کی تھیلی رقم سمیت واپس کر دیتے۔ ایک بار لوگوں نے پوچھا راستہ میں تو آپ بتاتے نہیں کہ اپنے پاس سے خرچ کر رہے ہیں۔ فرمایا: اگر پہلے سے لوگوں کو بتا دوں کہ اپنے پاس سے خرچ کر رہا ہوں تو کون آسانی سے تیار ہوگا کہ راستہ بھر میرے مال سے کھائے، اور گھر والوں کے لیے ضرورت کا سامان خریدے اس بہانے مجھے موقع مل جاتا ہے کہ میں اپنا مال ان لوگوں پر خرچ کرنے کی سعادت پاتا ہوں، جو اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں۔

کھانا ہمیشہ مہمان کے ساتھ کھاتے، اور ہمیشہ ان کے دستر خوان پر کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا۔ فرماتے مہمان کے ساتھ جو کھانا کھایا جاتا ہے اس کا حساب نہیں ہوتا، پیسے سے بھی ہر ایک کی مدد کرتے۔ جہاں کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ مقروض ہے اور قرض مانگنے والا اس کو پریشان کر رہا ہے۔ بے چین ہو جاتے، اور جس طرح بن پڑتا اس کو قرض کے بھاری بوجھ سے چھٹکارا دلاتے۔

شام کے سفر پر اکثر جایا کرتے تھے۔ راستہ میں رقہ کے مقام پر ایک سرائے پڑتی تھی ہمیشہ وہاں ٹھہرتے۔ سرائے میں ایک نوجوان آدمی تھا، وہ جی جان سے آپ کی خدمت کرتا

اور آپ سے پیارے رسول ﷺ کی حدیثیں بڑے شوق سے سیکھتا۔ آپ بھی بڑی محبت سے اس کو سکھاتے اور خوش ہوتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ آپ سرائے میں پہنچے تو وہ نوجوان نظر نہیں آیا۔ آپ کو فکر ہوئی پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہو گیا ہے۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ وجہ معلوم کی تو لوگوں نے بتایا کہ اس پر ایک آدمی کا قرضہ تھا۔ قرضہ بہت زیادہ تھا۔ قرض والا تقاضے کرتا اور اس کے پاس دینے کے لیے کچھ تھا نہیں۔ اس لیے اس آدمی نے اس کو پکڑوا دیا۔ آپ تلاش کرتے کرتے اس شخص کے پاس پہنچے، جس کا قرضہ تھا۔ اس سے تنہائی میں فرمایا: تمہارا کتنا قرض ہے؟ تم قرضہ کی ساری رقم مجھ سے لے لو، اور اس نوجوان کو رہا کرا دو، اور اس سے قسم لے لی کہ کسی کو یہ بات بتائے نہیں۔ وہ شخص خوشی خوشی راضی ہو گیا۔ آپ نے اس کو رقم دی اور اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے۔ جب وہ نوجوان چھوٹ کر سرائے میں آیا تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہؓ آئے تھے اور اسے پوچھ رہے تھے۔ نوجوان کو نہ ملنے کا بہت افسوس ہوا اور دل میں ٹھانی کہ جیسے بھی ہو حضرت سے ملنا چاہیے، چنانچہ فوراً وہاں سے روانہ ہوا۔ تلاش کرتا کرتا کئی دن کے سفر کے بعد حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور حالات معلوم کیے۔ نوجوان نے اپنی ساری آپ بیتی سنائی، اور یہ بھی بتایا کہ سرائے میں خدا کا کوئی نیک بندہ آیا تھا اس نے چپکے سے میری طرف سے رقم ادا کر دی اور میں چھوٹ گیا۔ معلوم نہیں کون تھا؟ میرے دل سے ہر وقت اس کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ تم نے مصیبت سے نجات پائی۔

جب حضرت کا انتقال ہوا تو اس شخص کو یہ راز لوگوں نے بتایا کہ وہ رقم ادا کرنے والے حضرت عبداللہؓ تھے۔

ایک آدمی پر سات سو کا قرضہ تھا۔ بے چارا بہت پریشان تھا۔ لوگوں نے حضرت سے ذکر کیا۔ آپ نے اسی وقت اپنے منیجر کو رقعہ لکھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دیدو۔ رقعہ

لے کر یہ شخص منیجر کے پاس پہنچا اور زبانی بھی منیجر کو بتایا کہ مجھ پر سات سو کا قرضہ ہے، منیجر نے کہا آپ ذرا ٹھہریے، اس میں رقم کچھ زیادہ لکھی گئی ہے۔ میں ذرا معلوم کرالوں۔ حضرت کو پرچہ لکھ کر بھیجا کہ اس شخص کو سات سو کی ضرورت ہے، اور آپ نے بھولے سے سات ہزار لکھ دیئے ہیں۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ فوراً اس شخص کو چودہ ہزار دے دو۔ منیجر نے حضرت کی خیر خواہی میں پھر پرچہ لکھ بھیجا کہ آپ اگر اس طرح دولت لٹاتے رہے تو کچھ ہی دنوں میں یہ سارا خزانہ ختم ہو جائے گا۔

حضرت کو اس بات سے رنج ہوا اور لکھ بھیجا کہ دنیا کی دولت لٹا کر آخرت کی دولت سمیٹنے کی فکر میں ہوں۔ کیا تمہیں پیارے رسول ﷺ کا یہ قول یاد نہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کسی ایسی بات سے اچانک خوش کردے جس کی اسے امید نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ بتاؤ کیا چودہ ہزار میں یہ سودا ٹوٹے کا ہے؟

حضرت نے دوسری مرتبہ سات ہزار کے بجائے چودہ ہزار اس لیے لکھے تھے کہ سات ہزار کی رقم تو اسے معلوم ہوگئی تھی۔ اگر اسے سات ہزار دیتے تو اس کی امید تو اسے تھی ہی۔ اس لیے آپ نے چودہ ہزار کا حکم دیا کہ امید کے خلاف اچانک اتنی بڑی رقم دیکھ کر وہ انتہائی خوش ہوگا۔

دین کی اشاعت:

پیارے صحابہؓ کی زندگی کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بس ایک دھن تھی کہ اللہ کا دین گھر گھر پہنچ جائے اور ہر ایک خدا کے دین پر چلنے لگے۔ حضرت عبداللہؓ ان کے سچے پیرو تھے۔ آپ کی زندگی کی کوئی گھڑی اس دھن سے خالی نہ تھی۔ گھر رہتے تو دین سکھانے میں لگے رہتے، سفر پر جاتے تو اسی فکر میں رہتے، دولت کماتے تو اسی لیے کہ اللہ کا دین پھیلانے میں خرچ کریں۔

لوگوں کو دین کا علم حاصل کرتے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، ہر طرح ان کا ساتھ دیتے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے طالب علموں کی مدد کرتے جو علم دین کا شوق رکھتے ہیں لیکن غربت کی وجہ سے پریشان ہوتے، یا جو لوگ دینی علم سکھانے میں لگے رہتے اور روزی کے لیے دوڑ دھوپ کا موقع نہ نکال پاتے۔ ہزاروں روپے ان کے لیے بھیجتے اور فرماتے روپیہ خرچ کرنے کا اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں۔

ایک بار فرمایا: ''میں اپنا روپیہ ان لوگوں پر خرچ کرتا ہوں جو دین کا علم حاصل کرنے میں ایسے لگ گئے ہیں کہ گھر والوں کے لیے روزی کمانے کا وقت نہیں نکال پاتے اور اگر روزی کمانے میں لگیں تو دین کا علم ختم ہو جائے گا۔ میں ان کی مدد اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے ذریعے دین کا علم پھیلتا ہے اور نبوت ختم ہو جانے کے بعد نیکی کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ دین کا علم پھیلایا جائے۔''

اس کام کے لیے شہر جاتے، ہر قسم کے لوگوں سے ملتے، ان کے سدھارنے کی کوشش کرتے اور بڑے سلیقے سے اس کام کو انجام دیتے۔

فرمایا کرتے تھے ''جب امت کے بڑے ذمہ دار لوگ بگڑ جاتے ہیں تو پوری امت میں بگاڑ آجاتا ہے۔ پانچ قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جب ان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پوری سوسائٹی بگڑ جاتی ہے

(۱) <u>دین کے علمار:</u>- یہ انبیار کے وارث ہیں۔ انبیار کا لایا ہوا علم ان کے پاس ہے۔ اگر یہی لوگ دنیا کے لالچ میں پھنس جائیں تو پھر عام لوگ کس سے دین سیکھیں؟ اور کس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں؟

(۲) <u>تاجر:</u>- اگر یہی لوگ خیانت کرنے لگیں، ایمانداری چھوڑ دیں اور ناحق لوگوں کی دولت لوٹنے پر کمر باندھ لیں، تو پھر لوگ کس پھر بھروسہ کریں گے؟ اور کس کو امانت

دار سمجھیں گے؟

(۳) زاہد لوگ:- ان کی زندگیوں کو دیکھ کر لوگ دین پر عمل کرتے ہیں اگر یہی بگڑ جائیں تو لوگ کس کے پیچھے چلیں گے؟

(۴) مجاہد:- جب ان کا مقصد غنیمت کا مال جمع کرنا ہو، اور حکومت کا ٹھاٹھ جمانے کے لیے لڑیں گے تو دین کیسے پھیلے گا؟ اور اسلام کی فتح کیوں کر ہوگی؟

(۵) حاکم:- حاکموں کی مثال ایسی ہے جیسے بھیڑوں کا چرواہا، چرواہے کا کام بھیڑوں کی دیکھ بھال اور ہر خطرے سے ان کی حفاظت ہے۔ لیکن اگر چرواہا خود بھیڑیا بن جائے تو پھر بھیڑوں کی حفاظت کرنے والا کون ہوگا؟

مطلب یہ ہے کہ امت کی اصلاح اسی وقت ہو سکتی ہے جب بڑے اور ذمہ دار لوگوں کی اصلاح ہو جائے۔ ان کی زندگیاں سدھر جائیں تو سب کی زندگی سدھر سکتی ہیں۔ اور اگر ان کا بگاڑ دور ہو جائے تو پوری امت کی زندگی میں ایک اچھا اور پسندیدہ انقلاب آسکتا ہے، جسے دیکھنے کے لیے آج ہر خیر پسند کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔

جہاد کا شوق:

کفر و شرک کا زور توڑنے اور اسلام پھیلانے کے لیے کبھی کبھی جنگ کے میدان میں بھی اترنا پڑتا ہے۔ مسلمان کی سب سے بڑی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اس کی جان و مال اللہ کی راہ میں کام آجائے۔ حضرت عبداللہؓ کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی۔ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے رہتے۔ راتیں خدا کی یاد میں گزرتیں، دن حدیث پڑھنے پڑھانے میں گزرتے۔ مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا اور جہاد کا موقع آتا تو میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں اور رومی کافروں میں ٹھنی ہوئی تھی۔ اور آئے دن جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہؒ ان مقابلوں میں اکثر شریک ہوتے۔ ایک بار مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں آمنے سامنے تھیں اور بڑا سخت مقابلہ تھا۔ ایک کافر اکڑتا ہوا میدان میں اُترا اور مسلمان سپاہیوں کو مقابلے کے لیے پکارا۔ مسلمانوں میں سے ایک مجاہد بپھرے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹا، اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک اور کافر اِتراتا ہوا میدان میں آیا۔ مجاہد نے اسے بھی ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا۔ اسی طرح کئی کافر مقابلہ پر آئے اور اس نے سب کو جہنم رسید کیا۔

اس بہادر شیر کی یہ بہادری دیکھ کر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اس کو دیکھنے کے لیے آگے بڑھے۔ خدا کے اس سپاہی نے بندوں کی تعریف سے بے نیاز ہو کر منہ پر کپڑا ڈال رکھا تھا۔ کپڑا اٹھایا گیا تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ ہیں۔

تجارت:

مال کی بے جا محبت، جمع کرنے کی ہوس اور اس پر اِترانا تو بے شک بہت بڑی برائی ہے اور اسلامی زندگی سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ لیکن اچھے کاموں میں خرچ کرنے کے لیے مال کمانا ایک پسندیدہ کام ہے۔ اور اسلام نے اس پر اُبھارا ہے۔

پیارے رسول ﷺ نے ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا ''اگر تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ جاؤ، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں غریب چھوڑ جاؤ، اور وہ تمہارے بعد بھیک مانگتے پھریں۔''

حضرت قیسؓ اپنے بیٹے حضرت حاکمؒ سے فرمایا کرتے تھے ''مال جمع کرو۔ کیوں کہ مال سے شریفوں کی عزت ہوتی ہے اور وہ کمین لوگوں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔''

حضرت سعید ابن میسبؒ فرمایا کرتے تھے ''خدا کی قسم وہ آدمی کسی کام کا نہیں ہے جو اپنی عزت و آبرو بچانے کے لیے مال جمع نہیں کرتا۔''

حضرت ابو قلابہؒ فرمایا کرتے تھے ''بازار میں جم کر کاروبار کرو۔ تم دین پر مضبوطی کے ساتھ جم سکو گے اور لوگوں سے بے نیاز ہو گے۔''

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور میں اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں تو مجھے مال سے کوئی خطرہ نہیں۔''

بزرگوں کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کمانا کوئی برائی نہیں ہے جس سے گھن کی جائے۔ برائی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی مال و دولت کی محبت میں دین سے غافل ہو جائے۔ آخرت کو بھول کر عیاشی میں پڑ جائے۔

ہمارے بزرگوں نے دین کی اونچی سے اونچی خدمت کی ہے۔ لیکن ہمیشہ اپنی روزی خود کماتے، کاروبار کرتے، یا اور کوئی پیشہ کرتے، دوسروں کے سہارے پر کبھی زندگی نہ گزارتے۔

حضرت عبد اللہؒ بہت بڑے کاروباری تھے۔ ان کی تجارت بہت بڑے پیمانے پر تھی۔ خراسان سے قیمتی سامان لاتے اور حجاز میں بیچتے تھے۔ اللہ نے تجارت میں خوب برکت دی تھی۔ سال میں ایک لاکھ تو غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دیتے۔

تجارت کس لیے؟:

ایک مرتبہ ان کے مشہور شاگرد حضرت فضیلؒ نے ان سے پوچھا حضرت! آپ لوگوں کو تو نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا سے دور رہو اور آخرت کمانے کی فکر کرو، اور خود قیمتی قیمتی سامانوں کی تجارت کرتے ہیں؟

فرمایا "فضیل! تم نے یہ بھی سوچا کہ میں تجارت کس لیے کرتا ہوں۔ میں تجارت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ مصیبتوں سے بچ سکوں، اپنی عزت آبرو کی حفاظت کرسکوں، اپنے پرایوں کے جو حقوق مجھ پر آتے ہیں انہیں اچھی طرح ادا کرسکوں، اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی بندگی کرسکوں۔"

انمول موتی:

حضرت عبداللہؒ کی بہت سی انمول باتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ چند یہ ہیں اور اس لائق ہیں کہ ہم ہر وقت انہیں یاد رکھیں:

(۱) ہر کام میں ادب وتہذیب کا خیال رکھو۔ دین کے دو حصے ادب وتہذیب ہیں۔

(۲) متقی آدمی بادشاہ سے زیادہ معزز ہوتا ہے۔ بادشاہ زبردستی لوگوں کو اپنے پاس جمع کرتا ہے اور متقی آدمی لوگوں سے بھاگتا ہے لیکن لوگ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

(۳) حق پر جمے رہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

(۴) غرور وتکبر یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو ذلیل سمجھے، اور یہ خیال کرے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ دوسروں کے پاس نہیں۔

(۵) وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہے جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو۔ اور جو دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہو۔

(۶) دنیا کے مال پر کبھی غرور نہ کرنا چاہیے۔

(۷) ایسا دوست ملنا انتہائی مشکل ہے جو صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔

(۸) ایسی چیزوں سے پیٹ بھرو جسے ایک مومن کا پیٹ گوارا کرسکے۔

(۹) طالب علم کے لیے پانچ باتیں ضروری ہیں:

(۱) اچھی نیت (۲) استاد کی باتوں کو دھیان سے سننا (۳) استاد کی باتوں پر غور وفکر کرنا (۴) استاد کی باتوں کو یاد رکھنا (۵) استاد کی باتوں کو اچھے لوگوں میں پھیلانا۔

(۱۰) حسن اخلاق یہ ہے کہ آپ لوگوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملیں اور خدا کے محتاج بندوں پر اپنا مال خرچ کریں، اور اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچنے دیں۔

چند شعر:

حضرت عبداللہؒ شاعر بھی تھے۔ آپ اکثر ایک شعر گنگنایا کرتے تھے اور ہے بھی وہ اس لائق کہ بار بار پڑھا جائے۔

اَرٰی اُنَاسًا بِاَدْنَی الدِّیْنِ قَدْ قَنَعُوْا

دین کی باتوں میں تو لوگ تھوڑے ہی کو بہت سمجھ لیتے ہیں

وَلَا اَرٰهُمْ رَضُوْا فِی الْعِیْشِ بِالدُّوْنِ

لیکن دنیا کے ساز وسامان میں تھوڑے پر راضی رہنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

جو دنیا میں ''کمی'' کو رو رہے ہیں ❖ ''ذرا سے دین'' پر خوش ہو رہے ہیں

(ش.نوید)

حضرت کی شان میں بہت سے لوگوں نے قصیدے لکھے۔ ایک قصیدے کے یہ دو شعر بہت مشہور ہیں

اِذَا سَارَ عَبْدُ اللهِ مِنْ مَّرْوَ لَیْلَةً

جب ایک رات عبداللہ مرو سے چلے

فَقَدْ سَارَ عَنْهَا نُوْرُهَا وَجَمَالُهَا

تو مرو کی ساری روشنی اور رونق جاتی رہی

اِذَا ذُکِرَ الْاَخْیَارُ فِیْ کُلِّ بَلْدَۃٍ

جب کسی شہر میں نیک عالموں کے تذکرے ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ:

فَھُمْ اَنْجُمٌ فِیْھَا وَ اَنْتَ ھِلَالُھَا

وہ سب تارے ہیں اور آپ ان میں چاند کی طرح چمکتے ہیں۔

ایک نرالا سورج غروب ہوا تو اس کی روشنی کچھ اور پھیل گئی:

جہاد کے لیے تو حضرت ہر سال ہی جاتے۔ ۱۸۱ھ میں جہاد سے واپس آرہے تھے۔ موصل کے قریب ہیئت نامی بستی میں پہنچے تو طبیعت بگڑ گئی۔ آپ سمجھ گئے کہ اب آخری وقت ہے۔ فرمایا:

''مجھے فرش سے اٹھا کر زمین پر ڈال دو۔''

نضرؒ نے آپ کو زمین پر ڈال تو دیا، لیکن مہربان آقا کی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت نے پوچھا روتے کیوں ہو؟ نضرؒ نے کہا ''حضرت! ایک وہ زمانہ تھا کہ دولت کی ریل پیل تھی، شان وشوکت تھی، اور جاہ وجلال کی زندگی تھی۔ اور ایک یہ وقت ہے کہ آپ مسافرت میں ہیں۔ عزیز واقارب دور ہیں غریبی کی زندگی ہے۔ بے بسی ہے، اور پھر آپ خاک پر پڑے ہوئے ہیں، یہ سب دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔''

حضرت عبداللہ نے فرمایا:

''نضر! رنج کی کوئی بات نہیں۔ میں نے ہمیشہ خدا سے یہی دعا کی، کہ خدایا! میری زندگی مالداروں کی سی ہو کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤں اور تیری راہ میں کھلے دل سے

دولت لٹاؤں اور میری موت غریبوں اور خاکساروں کی سی ہو کہ تیری خدمت میں غریب اور بے بس بن کر پہنچوں کہ تجھے رحم آئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری دعا قبول ہوئی۔''

رمضان کا مبارک مہینہ تھا کہ ابن مبارکؒ ایمان و عمل کا تحفہ لیے اپنے رب کے حضور پہنچے اور وہ سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا جس نے ۶۳ سال تک مصر، شام، کوفہ، بصرہ، یمن اور حجاز کو اپنی علمی روشنی سے جگمگایا۔ مگر یہ ایک نرالا ہی سورج تھا۔ غروب ہوا تو اس کی روشنی کچھ اور پھیل گئی۔ آج تک ساری دنیا اس کی روشنی سے جگمگا رہی ہے۔ اور جب تک خدا چاہے گا جگمگاتی رہے گی۔ اللہ کی ہزار ہزار نعمتیں ان پر اور خدا توفیق دے کہ ہم بھی ان کی پھیلائی ہوئی روشنی میں چلیں۔

ایک انگریز جج نے فیصلہ کیا کہ مسلمان ہار گئے اسلام جیت گیا

کاندھلہ میں ایک مرتبہ ایک زمین کا ٹکڑا تھا اس پر جھگڑا چل پڑا، مسلمان کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے، ہندو کہتے تھے کہ یہ ہمارا ہے، چنانچہ یہ مقدمہ بن گیا۔ انگریز کی عدالت میں پہنچا، جب مقدمہ آگے بڑھا تو مسلمان نے اعلان کر دیا کہ یہ زمین کا ٹکڑا اگر مجھے ملا تو میں مسجد بناؤں گا، ہندوؤں نے جب سنا تو انہوں نے ضد میں کہہ دیا کہ یہ ٹکڑا اگر ہمیں ملا تو ہم اس پر مندر بنائیں گے۔ اب بات تو دو انسانوں کی انفرادی تھی، لیکن اس میں رنگ اجتماعی بن گیا، حتیٰ کہ ادھر مسلمان جمع ہو گئے اور ادھر ہندو اکھٹے ہو گئے اور مقدمہ ایک خاص نوعیت کا بن گیا، اب سارے شہر میں قتل و غارت ہو سکتی تھی، خون خرابہ ہو سکتا تھا، تو لوگ بھی بڑے حیران تھے کہ نتیجہ کیا نکلے گا؟ انگریز جج تھا وہ بھی پریشان تھا کہ اس میں کوئی صلح و صفائی کا پہلو نکالے ایسا نہ ہو کہ یہ آگ اگر جل گئی تو اس کا بجھانا مشکل ہو جائے۔ جج نے مقدمہ سننے کے بجائے ایک تجویز پیش کی کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ آپ لوگ آپس میں بات چیت کے ذریعے مسئلہ کا حل نکال لیں، تو ہندوؤں نے ایک تجویز پیش کی کہ ہم آپ کو ایک

مسلمان کا نام تنہائی میں بتائیں گے، آپ اگلی پیشی پر ان کو بلا لیجیے اور ان سے پوچھ لیجیے، اگر وہ کہیں کہ یہ مسلمانوں کی زمین ہے تو ان کو دے دیجیے اور اگر وہ کہیں کہ یہ مسلمانوں کی زمین نہیں، ہندوؤں کی ہے تو ہمیں دے دیجیے۔ جب جج نے دونوں فریقان سے پوچھا تو دونوں فریق اس پر راضی ہو گئے۔ مسلمانوں کے دل میں یہ تھی کہ مسلمان ہوگا جو بھی ہوا تو وہ مسجد بنانے کے لیے بات کرے گا، چنانچہ انگریز نے فیصلہ دے دیا اور مہینہ یا چند دنوں کی تاریخ دے دی کہ بھئی اس دن آنا اور میں اس بڈھے کو بھی بلوالوں گا۔ اب جب مسلمان باہر نکلے تو بڑی خوشیاں منا رہے تھے، سب کود رہے تھے، نعرے لگا رہے تھے۔ ہندوؤں نے پوچھا اپنے لوگوں سے کہ تم نے کیا کہا انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک مسلمان عالم کو حکم بنا لیا ہے کہ وہ اگلی پیشی پر جو کہے گا اسی پر فیصلہ ہوگا، اب ہندوؤں کے دل مرجھا گئے اور مسلمان خوشیوں سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ لیکن انتظار میں تھے کہ اگلی پیشی میں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں نے مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا نام بتایا کہ جو شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور اللہ نے ان کو سچی پکی زندگی عطا فرمائی تھی، مسلمانوں نے دیکھا کہ مفتی صاحب تشریف لائے ہیں تو وہ سوچنے لگے کہ مفتی صاحب تو مسجد کی ضرور بات کریں گے۔ چنانچہ جب انگریز نے پوچھا کہ بتائیے مفتی صاحب یہ زمین کا ٹکڑا کس کی ملکیت ہے؟ ان کو چونکہ حقیقت حال کا پتہ تھا انہوں نے جواب دیا کہ یہ زمین کا ٹکڑا تو ہندوؤں کا ہے۔ اب جب انہوں نے یہ کہا کہ یہ ہندو کا ہے تو انگریز نے اگلی بات پوچھی کہ کیا اب ہندو لوگ اس کے اوپر مندر تعمیر کر سکتے ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا جب ملکیت ان کی ہے تو وہ جو چاہیں کریں چاہے گھر بنائیں یا مندر بنائیں، یہ ان کا اختیار ہے۔ چنانچہ فیصلہ دے دیا گیا کہ یہ زمین ہندوؤں کی ہے، مگر انگریز نے فیصلے میں ایک عجیب بات لکھی، فیصلہ کرنے کے بعد لکھا کہ ''آج اس مقدمہ میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔'' جب انگریز نے یہ بات کہی تو اس وقت ہندوؤں نے کہا کہ آپ نے تو فیصلہ دے دیا ہماری بات

بھی سن لیجیے ہم اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور آج یہ اعلان کرتے ہیں کہ اب ہم اپنے ہاتھوں سے یہاں مسجد بنائیں گے۔ تو عقل کہہ رہی تھی کہ جھوٹ بولو کہ مسجد بنے گی مگر حضرت مفتی صاحب نے سچ بولا اور سچ کا بول بالا، سچے پروردگار نے اس جگہ مسجد بنوا کر دکھلا دی۔ تو کئی مرتبہ نظر آتا ہے کہ جھوٹ بولنا آسان راستہ ہے، جھوٹ بولنا آسان راستہ نہیں ہے یہ کانٹوں بھرا راستہ ہوا کرتا ہے، جھوٹے سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتے ہیں، انسان نفرت کرتے ہیں، انسان اعتماد کھو بیٹھتا ہے، ایک جھوٹ کو بولنے کے لیے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، لہٰذا جھوٹی زندگی گزارنے کے بجائے سچی زندگی کو آپ اختیار کیجیے اس پر پروردگار آپ کی مدد فرمائے گا۔

اپنی بیوی کا دل پیار سے جیتئے تلوار سے نہیں

جو خاوند اپنی بیوی کا دل پیار سے نہیں جیت سکا وہ اپنی بیوی کا دل تلوار سے ہرگز نہیں جیت سکتا۔ دوسرے الفاظ میں جو عورت اپنے خاوند کو پیار سے اپنا نہ بنا سکی وہ تلوار سے بھی اپنے خاوند کو اپنا نہیں بنا سکے گی۔ کئی مرتبہ عورتیں سوچتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کو کہوں گی وہ میرے خاوند کو ڈانٹے گا، میں اپنے ابو کو بتاؤں گی وہ میرے خاوند کو سیدھا کر دیں گے، ایسی عورتیں انتہائی بے وقوف ہوتی ہیں بلکہ پرلے درجے کی بے وقوف ہوتی ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے بھائی اور آپ کے باپ ڈانٹیں گے اور آپ کا خاوند ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ تیسرے بندے کے درمیان میں آنے سے ہمیشہ فاصلے بڑھ جاتے ہیں، جب آپ نے اپنے اور خاوند کے معاملے میں اپنے ماں باپ کو ڈال دیا تو آپ نے تو تیسرے بندے کو درمیان میں ڈال کر خود فاصلہ کر لیا، تو جب آپ خود اپنے اور اپنے میاں کے درمیان فاصلہ کر چکیں، تو اب یہ قرب کیسے ہوگا؟ اس لیے اپنے گھر کی باتیں اپنے گھر میں سمیٹی جاتی ہیں، لہٰذا یاد رکھئے:

اپنا گھونسلہ اپنا کچا ہو یا پکا

خاوند کے گھر میں اگر آپ فاقہ سے بھی وقت گزاریں گی تو اللہ رب العزت کے یہاں درجے اور رتبے پائیں گی، اپنے والد کے گھر کی آسانیوں اور ناز و نعمت کو یاد نہ کرنا، ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ بیٹیاں ماں باپ ہی کے گھر میں رہتی رہیں، بالآخران کو اپنا گھر بسانا ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو زندگی کی ترتیب ہے اسی کو اپنانا ہوتا ہے، تو اس لیے اگر خاوند کے گھر میں رزق کی تنگی ہے یا خاوند کی عادتوں میں سے کوئی عادت خراب ہے تو صبر و تحمل کے ساتھ اس کی اصلاح کے بارے میں فکرمند رہیں، سوچ سمجھ کر ایسی باتیں کریں، خدمت کے ذریعے خاوند کا دل جیت لیں، تب آپ جو بھی کہیں گی خاوند مان لے گا۔

گھر میں عافیت اور سلامتی کا مجرب نسخہ

ایک عمل کی اجازت سب مستورات کو دی جاتی ہے وہ پڑھنا شروع کر دیں۔ جتنی عورتیں شادی شدہ ہیں وہ تو ضرور ہی پڑھیں لیکن جو بڑی عمر کی بچیاں ہیں سمجھدار ہیں، وہ بھی پڑھیں، جب اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ان کے گھر کو آباد کریں گے تو انشاء اللہ ان کو خوشیاں نصیب ہوں گی۔

عمل یہ ہے کہ آپ جب بھی کوئی نماز پڑھیں فرض ہو، واجب ہو، نفل ہو، اس کی آخری التحیات میں (یعنی دو رکعت کی تو ایک ہی التحیات ہوتی ہے لیکن چار رکعت میں تو دو مرتبہ التحیات میں بیٹھتے ہیں) تو آخری التحیات جس میں آپ کو سلام پھیرنا ہوتا ہے اس میں جب آپ رَبَّنَآ اٰتِنَا... الخ یا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ... الخ یا کوئی بھی دعا پڑھتی ہیں اور سلام پھیرنے لگتی ہیں اس وقت سلام پھیرنے سے پہلے آپ یہ دعا بھی پڑھا کریں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝ (الفرقان، آیت ۷۴)

اس دعا کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آپ کے گھر کے سارے افراد کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیں گے، اس کی اجازت ان تمام عورتوں کو ہے جو یہ آواز سن رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکتیں عطا کرے اور گھروں میں سکھ و سکون کی زندگی نصیب ہو۔

زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے

خاموش رہنا تدبر کی علامت ہوتی ہے، عقلمندی کی علامت ہوتی ہے، اور انسان کے سمجھدار ہونے کی علامت ہوتی ہے، جب کہ ہر وقت ٹرٹر کرتے رہنا یہ انسان کی بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے، یاد رکھئے گا کہ ''زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔'' پاؤں پھسل گیا تو بندہ پھر اُٹھ سکتا ہے لیکن اگر زبان پھسل گئی تو وہ لفظ پھر واپس نہیں آسکتا اس لیے جس بندے کی زبان بے قابو ہو تو اس بندے کی موت کا فیصلہ وہی کرتی ہے۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خموش ہے

نیک بیویاں اپنے خاوندوں سے نیکی کے کام کروایا کرتی ہیں

ایک خاتون گزری ہیں جن کو حاتم طائی کی بیوی کہا جاتا تھا۔ نیک اور دیندار، مالدار خاوند کی بیوی تھیں، ان کا گھر جس بستی میں تھا اس کے قریب سے ایک عام سڑک گزر رہی تھی، دیہاتوں کے لوگ اپنی بستیوں سے چل کر اس سڑک تک آتے اور بسوں کے ذریعہ پھر شہروں میں جاتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ جب پہنچتے تو بس کا آخری وقت ختم ہو چکا ہوتا، رات گہری ہو چکی ہوتی اب ان مسافروں کو بس نہ ملنے کی وجہ سے انتظار میں بیٹھنا پڑتا اور بیٹھنے کے لیے کوئی خاص جگہ بھی بنی ہوئی نہیں تھی، اس نیک عورت نے جس کا شوہر

خوشحال تھا اپنے خاوند کو یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ہم مسافروں کے لیے ایک چھوٹا سا مسافر خانہ بنادیں تاکہ وقت بے وقت لوگ اگر آئیں اور ان کو سواری نہ ملے تو وہ لوگ ایک کونہ میں بیٹھ کر وقت گزار لیں۔ خاوند نے مسافر خانہ بنوادیا، لوگوں کے لیے بڑی آسانی ہوگئی، جب بھی لوگ آتے تو اس کمرے میں بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کر لیتے، پھر اس نیک عورت کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان مسافروں کے لیے چائے پانی کا تھوڑا سا انتظام ہی ہوجائے، چنانچہ اس کو جو جیب خرچ ملتا تھا اس نے اس میں سے مسافروں کے لیے چائے پانی کا نظم کردیا۔ اب مسافر اور خوش ہوگئے اور اس عورت کو اور زیادہ دعائیں دینے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہ بات بہت پسند کی جانے لگی کہ اللہ کی نیک بندی نے لوگوں کی تکلیف کو دور کردیا حتّٰی کہ اس کو اور چاہت ہوئی اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ دیا ہوا ہے ہم اگر کھانے کے وقت میں ان مسافروں کو کھانا بھی کھلا دیا کریں تو اس میں کون سی بڑی بات ہے، اللہ کے دیئے ہوئے میں سے ہم خرچ کریں گے چنانچہ خاوند مان گیا۔ نیک بیویاں اپنے خاوندوں سے نیکی کے کام کروایا کرتی ہیں یہ نہیں ہوتا کہ کوئی تو تاج محل بنوائے اور کوئی گلشن آرا کا باغ بنوائے یہ تو بیوقوفی کی باتیں ہیں، کہ دنیا کی چیزیں بنوالیں یہ کیا یادگار ہوئی۔ یادگار تو وہ تھی جو زبیدہ خاتون نے چھوڑی، کہ جن کی نہر سے لاکھوں انسانوں نے پانی پیا اور اپنے نامۂ اعمال میں اس کا اجر لکھا گیا، تو نیک بیویاں اپنے خاوندوں سے ہمیشہ نیک کاموں میں خرچ کرواتی ہیں۔ چنانچہ شوہر نے مسافروں کے لیے کھانے کا انتظام بھی کردیا لہٰذا جب مسافروں کو کھانا بھی ملنے لگا تو بہت سے مسافر رات میں وہاں ٹھہر جاتے اور اگلے روز بس پکڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتے یہاں تک کہ وہاں پر سو پچاس مسافر رہنے لگ گئے۔ کھانا پکتا لوگ کھاتے اس کے لیے دعائیں کرتے اب کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ خیر خواہ بھی ہوتے ہیں، جو خیر خواہی کے رنگ میں بدخواہی کررہے ہوتے ہیں، دوستی کے رنگ میں دشمنی کررہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے آدمیوں

میں سے ایک دو نے اس کے خاوند سے بات کی کہ جی تمہاری بیوی تو فضول خرچ ہے، سو پچاس بندوں کا کھانا روز پک رہا ہے، یہ فارغ قسم کے لوگ نکھٹو اور نالایق قسم کے لوگ آ کر یہاں پڑے رہتے ہیں کھاتے رہتے ہیں تمہیں اپنے مال کا بالکل احساس نہیں یہ تو تمہیں ڈبو کر رکھ دے گی۔ انہوں نے ایسی باتیں کہیں کہ خاوند نے کہا کہ اچھا ہم ان کو چائے پانی تو دیں گے البتہ کھانا دینا بند کر دیتے ہیں، چنانچہ کھانا بند کر دیا گیا۔ جب عورت کو پتہ چلا تو اس عورت کے دل پر تو بہت صدمہ گزرا، مگر عورت سمجھدار تھی وہ جانتی تھی کہ موقع پر کہی ہوئی بات سونے کی ڈلیوں کی مانند ہوتی ہے، اس لیے مجھے اپنے خاوند سے الجھنا نہیں، موقع پر بات کرنی ہے تا کہ میں اپنے خاوند سے بات کہوں اور میرے خاوند کو بات سمجھ میں آ جائے۔

چنانچہ دو چار دن وہ خاموش رہی۔ ایک دن وہ خاموش بیٹھی تھی، خاوند نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ خاموش کیوں بیٹھی ہو؟ کہنے لگی کہ بہت دن ہو گئے گھر میں بیٹھے ہوئے سوچتی ہوں کہ ہم ذرا اپنی زمینوں پر چلیں، جہاں کنواں ہے، ٹیوب ویل ہے، باغ ہے۔ کہنے لگا بہت اچھا میں تمہیں لے چلتا ہوں۔ چنانچہ خاوند اپنی بیوی کو لے کر اپنی زمینوں پر آ گیا، جہاں باغ تھا، پھل پھول تھے وہاں ٹیوب ویل بھی لگا ہوا تھا، چنانچہ وہ عورت پہلے تو تھوڑی دیر پھولوں میں، باغ میں، گھومتی رہی اور پھول توڑتی رہی پھر اخیر میں آ کر یہ کنویں کے قریب بیٹھ گئی اور کنویں کے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ خاوند سمجھا کہ ویسے ہی کنویں کی آواز سن رہی ہے پانی نکلتا ہوا دیکھ رہی ہے۔ کافی دیر جب ہو گئی تو خاوند نے کہا کہ نیک بخت چلو گھر چلتے ہیں، کہنے لگی کہ ہاں بس ابھی چلتے ہیں اور بیٹھی رہی، کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا کہ چلو گھر چلیں کہنے لگی کہ ہاں بس ابھی چلتے ہیں اور پھر بیٹھی رہی، تیسری مرتبہ اس نے پھر کہا کہ ہمیں دیر ہو رہی ہے مجھے بہت سے کام سمیٹنے ہیں، چلو گھر چلتے ہیں کہنے لگی کہ جی ہاں چلتے ہیں اور کنویں میں ہی دیکھتی رہی، اس پر خاوند قریب آیا اور کہا کہ کیا بات ہے؟ تم کنویں میں کیا دیکھ رہی ہو؟ تب اس عورت نے کہا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ جتنے ڈول کنویں میں

جا رہے ہیں سب کے سب کنویں سے بھر کر واپس آ رہے ہیں لیکن پانی جیسا تھا ویسا ہی ہے، ختم نہیں ہو رہا۔ اس پر خاوند مسکرایا اور کہنے لگا کہ اللہ کی بندی بھلا کنویں کا پانی بھی کبھی کم ہوا ہے یہ تو سارا دن اور ساری رات بھی اگر نکلتا رہے اور ڈول بھر بھر کر آتے رہیں تب بھی کم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نیچے سے اور بھیجتے رہتے ہیں۔ جب اس مرد نے یہ بات کہی تب اس سمجھدار خاتون نے جواب دیا کہنے لگی اچھا یہ اسی طرح ڈول بھر بھر کر آتے رہتے ہیں اور پانی ویسا ہی رہتا ہے، نیچے سے اور آتا رہتا ہے؟ خاوند نے کہا کہ تمہیں نہیں پتہ! بیوی نے کہا کہ میرے دل میں ایک بات آ رہی ہے کہ اللہ نے نیکیوں کا ایک کنواں ہمارے یہاں بھی جاری کیا تھا، مسافر خانہ کی شکل میں۔ لوگ آتے تھے اور ڈول بھر بھر کے لے جاتے تھے تو کیا آپ کو خطرہ ہو گیا تھا کہ اس کا پانی ختم ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اور نہیں بھیجے گا؟ اب جب اس نے موقع پر یہ بات کہی تو خاوند کے دل پر جا کر لگی، کہنے لگا کہ واقعی تم نے مجھے قائل کر لیا۔ چنانچہ شوہر واپس آیا اور اس نے دوبارہ مسافر خانہ میں کھانا شروع کروا دیا اور جب تک یہ میاں بیوی زندہ رہے، مسافر خانہ کے مسافروں کو کھانا کھلاتے رہے۔ تو یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ نیک بیویاں فوراً ترکی بترکی جواب نہیں دیا کرتیں بلکہ بات کو سن کر خاموش رہتی ہیں، سوچتی رہتی ہیں، پھر سوچ کر بات کرتی ہیں، انجام کو سامنے رکھ کر بات کرتی ہیں، موقع پر بات کرتی ہیں اور کئی مرتبہ یہ دیکھا گیا کہ مرد اگر غصے میں کوئی بات کر بھی جائے تو دوسرے موقع پر وہ خود معذرت کر لے گا اور کہے گا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ لہٰذا اگر ایک موقع پر آپ نے کوئی بات کہی، اس پر مرد نے کہا میں ہرگز نہیں کروں گا، آپ خاموش ہو جائیے، دوسرے موقع پر وہ خوشی سے بات مان لے گا یہ غلطی ہرگز نہ کریں کہ ہر بات کا جواب دینا اپنے اوپر لازم کر لیں، اس غلطی کی وجہ سے بات کبھی چھوٹی ہوتی ہے، مگر بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے اور تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے اور میاں بیوی کے اندر جدائیاں واقع ہو جاتی ہیں تو اس لیے عقلمند عورت ''پہلے تولے گی اور پھر بولے گی'' اس لیے کہ اسے پتہ ہے اگر میں

موقع پر بات کہوں گی تو اس بات کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔

بیوی اچھی ہو یا بری فائدہ ہی فائدہ ہے

سوال محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام، گزارش ہے کہ میں نوجوان ہوں۔ شادی کا تقاضہ ہونے کے باوجود دل گوارا نہیں کرتا کہ شادی کروں۔ پتہ نہیں بداخلاق بیوی یا خوش اخلاق بیوی سے پالا پڑتا ہے۔ تسلی بخش جواب مرحمت فرمایئے، عین نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

جواب آپ بہرصورت شادی کرلیجیے۔ ایک نوجوان شادی سے کترا رہا تھا۔ سقراط نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا ''تم ہر حال میں شادی کرلو۔ اگر تمہاری بیوی نیک رہی تو خوش وخرم رہو گے اور اگر تمہارے نصیب میں بداخلاق بیوی لکھی ہوگی تب بھی تمہارے اندر حکمت اور دانائی آجائے گی اور یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے سودمند ہیں۔''

ملاح بولا میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی

ایک بار چند طلبا، تفریح کے لیے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا۔ یہ نوعمر طلبا، خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ اور فقرہ بازی، مذاق وتفریح طبع کے لیے بے حد موزوں تھا۔ چنانچہ ایک تیز طرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہوکر کہا:

''چچا میاں! آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟''

ملاح نے جواب دیا ''میاں میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں''

صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ''ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی؟''

ملاح نے کہا ''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔''

دوسرے صاحبزادے بولے ''جیومٹری اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟''

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا ''مگر آپ نے جغرافیہ اور ہسٹری تو پڑھی ہی ہوگی؟'' ملاح نے جواب دیا ''سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟'' ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انہوں نے قہقہہ لگایا، پھر انہوں نے پوچھا ''چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟'' ملاح نے بتایا ''یہی کوئی چالیس سال۔'' لڑکوں نے کہا ''آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔''

ملاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا اور چپ سادھ لی، قدرت کا تماشا دیکھیے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی۔ دریا کے سفر کا لڑکوں کو پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا ''بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟'' لڑکے اس بھولے بھالے ملاح کا مقصد نہ سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنوانی شروع کر دی اور جب وہ یہ بھاری بھرکم مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا لیکن کیا تیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی اُلٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے؟''

لڑکوں میں کوئی بھی تیرنا نہیں جانتا تھا انہوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا ''چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔''

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا ''میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو آج پوری عمر ڈبوئی، اس لیے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کام نہ آئے گا، آج تیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔''

آج بھی دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں جو بظاہر دنیا کی قسمت کے مالک

بنے ہوئے ہیں، صورت حال یہی ہے کہ زندگی کا سفینہ گرداب میں ہے، دریا کی موجیں خونخوار نہنگوں کی طرح منھ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہیں، ساحل دور ہے اور خطرہ قریب لیکن کشتی کے معزز و لائق سواروں کو سب کچھ آتا ہے مگر ملاحی کا فن اور تیراکی کا علم نہیں آتا، دوسرے الفاظ میں انہوں نے سب کچھ سیکھا ہے، لیکن بھلے مانسوں شریف، خدا شناسی اور انسانیت دوست انسانوں کی طرح زندگی گذارنے کا فن نہیں سیکھا، اقبال نے اپنے اشعار میں اس نازک صورت حال اور اس عجیب وغریب ''تضاد'' کی تصویر کھینچی ہے جس کا اس بیسویں صدی کا مذہب اور تعلیم یافتہ فرد بلکہ معاشرہ کا معاشرہ شکار ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

تحفۂ کشمیر، صفحہ ۱۰۱

دنیا کی عجیب مثال

امام غزالیؒ نے یہ بات بڑی اچھے انداز میں سمجھائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جارہا تھا۔ ایک شیر اس کے پیچھے بھاگا۔ اس کے قریب کوئی بھی درخت نہیں تھا کہ جس پر وہ چڑھ جاتا۔ اسے ایک کنواں نظر آیا، اس نے سوچا کہ میں کنویں میں چھلانگ لگا دیتا ہوں، جب شیر چلا جائے گا تو میں بھی کنویں سے باہر نکل آؤں گا۔ جب اس نے نیچے چھلانگ لگانے کے لیے دیکھا تو کنویں میں پانی کے اوپر ایک کالا ناگ تیرتا ہوا نظر آیا۔ اب پیچھے شیر تھا اور نیچے کنویں میں کالا ناگ تھا۔ وہ اور زیادہ پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اب میں کیا کروں۔ اسے کنویں کی دیوار پر کچھ گھاس اگی ہوئی نظر آئی۔ اس نے سوچا کہ میں اس گھاس کو پکڑ کر لٹک جاتا ہوں، نہ اوپر رہوں کہ شیر کھا جائے اور نہ نیچے جاؤں کہ سانپ ڈسے، میں درمیان

میں لٹک جاتا ہوں جب شیر چلا جائے گا تو میں بھی باہر نکل آؤں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید چوہا دونوں اسی گھاس کو کاٹ رہے ہیں جس گھاس کو پکڑ کر وہ لٹک رہا تھا اب اسے اور زیادہ پریشانی ہوئی۔ اس پریشانی کے عالم میں جب اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو اسے قریب ہی شہد کی مکھیوں کا ایک چھتہ نظر آیا۔ اس پر مکھیاں تو نہیں تھیں مگر وہ شہد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ چھتہ دیکھ کر اسے خیال آیا کہ ذرا دیکھوں تو سہی اس میں کیسا شہد ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاتھ سے گھاس کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی پر جب شہد لگا کر چکھا تو اسے بڑا مزا آیا۔ اب وہ اسے چاٹنے میں مشغول ہو گیا۔ نہ اسے شیر یاد رہا نہ ناگ یاد رہا اور نہ ہی اسے چوہے یاد رہے، سوچیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

یہ مثال دینے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''اے دوست! تیری مثال اسی انسان کی سی ہے

ملک الموت شیر کی مانند تیرے پیچھے لگا ہوا ہے،

قبر کا عذاب اس سانپ کی صورت میں تیرے انتظار میں ہے،

کالا اور سفید چوہا، یہ تیری زندگی کے دن اور رات ہیں،

گھاس تیری زندگی ہے جسے چوہے کاٹ رہے ہیں،

اور یہ شہد کا چھتہ دنیا کی لذتیں ہیں جن سے لطف اندوز ہونے میں تو لگا ہوا ہے تجھے کچھ یاد نہیں، سوچ کہ تیرا انجام کیا ہوگا۔''

واقعی بات یہی ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں پھنس کر اپنے رب کو ناراض کر لیتا ہے۔ کوئی کھانے، پینے کی لذتوں میں پھنسا ہوا ہے اور کوئی اچھے عہدے اور شہرت کی لذت میں پھنسا ہوا ہے، یہی لذتیں انسان کو آخرت سے غافل کر دیتی ہیں۔ اس لیے جہاں ترکِ دنیا کا لفظ آئے گا اس سے مراد ترکِ لذات ہوگا۔

سانپ کے بچے وفادار نہیں ہو سکتے

برے دوست کے ساتھ دوستی نہ کریں اور اپنے نسب کو دھبہ نہ لگائیں، کڑوے کنویں کبھی میٹھے نہیں ہو سکتے چاہے تم اس میں لاکھوں من گڑ ڈال دو، کوے کے بچے کبھی ہنس نہیں بنا کرتے چاہے تم ان کو موتیوں کی غذا کھلاتے رہو، سانپ کے بچے وفادار نہیں ہو سکتے چاہے چلّو میں دودھ لے کر ان کو کیوں نہ پلا دیں حنظل کبھی تربوز نہیں بنتا ہے چاہے اس پھل کو تم مکہ ہی کیوں نہ لے کے چلے جاؤ۔

بیوی کا پیار والا نام رکھنا سنت ہے...مگر ایسا ویسا نام نہ رکھنا

نبی کریم ﷺ اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہت ہی محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ ''میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے سب سے بہتر ہوں۔''

ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے۔ اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہؓ پیالے میں پانی پی رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے دور سے فرمایا، حمیرا! میرے لیے بھی کچھ پانی بچا دینا۔ ان کا نام تو عائشہ تھا لیکن نبی کریم ﷺ ان کو محبت کی وجہ سے حمیرا فرماتے تھے۔ اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کا محبت میں کوئی ایسا نام رکھے جو اُسے بھی پسند ہو اور اِسے بھی پسند ہو۔ ایسا نام محبت کی علامت ہوتا ہے اور جب اس نام سے بندہ اپنی بیوی کو پکارتا ہے تو بیوی قرب محسوس کرتی ہے یہ سنت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جب فرمایا کہ حمیرا! میرے لیے بھی کچھ پانی بچا دینا۔ تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے کچھ پانی پیا اور کچھ پانی بچا دیا۔ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہوں نے پیالہ حاضر خدمت کر دیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے وہ پیالہ

ہاتھ میں لیا اور آپ ﷺ پانی پینے لگے تو آپ رک گئے اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، ''حمیرا! تو نے کہاں سے لب لگا کر پانی پیا تھا؟ کس جگہ سے منہ لگا کے پانی پیا تھا؟'' انہوں نے نشاندہی کی کہ میں نے یہاں سے پانی پیا تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے پیالے کے رخ کو پھیرا اور اپنے مبارک لب اسی جگہ پر لگا کر پانی نوش فرمایا۔ خاوند اپنی بیوی کو ایسی محبت دے گا تو وہ کیوں کر گھر آباد نہیں کرے گی۔

اب سوچئے کہ رحمۃ للعالمین تو آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ سید الاولین و الآخرین ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ کا بچا ہوا پانی پیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ ﷺ کا بچا ہوا پانی وہ پیتیں۔ مگر یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے تھا۔

بیوی سے محبت کی باتیں سنئے

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا ''حمیرا! تم مجھے مکھن اور چھوہارے ملا کر کھانے سے زیادہ محبوب ہو۔'' وہ مسکرا کر کہنے لگیں ''اے اللہ کے نبی کریم ﷺ! مجھے آپ مکھن اور شہد ملا کر کھانے سے زیادہ محبوب ہیں۔'' نبی کریم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا ''حمیرا! تیرا جواب میرے جواب سے زیادہ بہتر ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے دل میں جتنی خشیت الٰہی تھی اس کا تو ہم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے مگر آپ ﷺ کا اپنے اہل خانہ کی موانست، پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ یہ چیز عین مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس چیز کو پسند کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی گھر تشریف لاتے تھے تو ہمیشہ مسکراتے چہرے کے ساتھ تشریف لاتے تھے۔ اس حدیث پاک کے آئینہ میں ذرا ہم اپنے چہرے کو دیکھیں کہ جب ہم اپنے گھر آتے ہیں تو تیوریاں چڑھی ہوتی ہیں۔

نفس کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی

ایک بادشاہ کے ہاں بیٹا نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے وزیر سے کہا، ''بھئی! کبھی اپنے بیٹے کو لے آنا۔'' اگلے دن وزیر اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھا اور پیار کرنے لگا۔ بادشاہ نے کہا ''اچھا، اس بچے کو آج کے بعد رونے نہ دینا۔'' اس نے کہا ''بادشاہ سلامت! اس کی ہر بات کیسے پوری کی جائے۔'' بادشاہ نے کہا ''اس میں کون سی بات ہے، میں سب سے کہہ دیتا ہوں کہ بچے کو جس چیز کی ضرورت ہو اسے پورا کر دیا جائے اور اسے رونے نہ دیا جائے۔'' وزیر نے کہا ''ٹھیک ہے، جی اب آپ اس بچے سے پوچھیں کیا چاہتا ہے؟'' چنانچہ بادشاہ نے بچے سے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا ہاتھی۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو بڑی آسان فرمائش ہے۔ چنانچہ اس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک ہاتھی لا کر بچے کو دکھا دو۔ وہ ہاتھی لے کر آیا۔ بچہ تھوڑی دیر تو کھیلتا رہا لیکن بعد میں پھر رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اب کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا ایک سوئی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ چنانچہ ایک سوئی منگوائی گئی۔ اس نے سوئی کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بچے نے پھر رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے کہا ارے اب تو کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا، جی اس ہاتھی کو سوئی کے سوراخ میں سے گزاریں۔ جس طرح بچے کی ہر خواہش پوری نہیں کی جا سکتی اسی طرح نفس کی بھی ہر خواہش پوری نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔

ایک لالچی کا قصہ

مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب تراشے میں ''اشعب طامع'' نامی شخص کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اس کے اندر طمع بہت زیادہ تھا، وہ اپنے زمانے کا نامی گرامی طامع تھا حتی کہ اس کی یہ حالت تھی کہ اس کے سامنے اگر کوئی آدمی اپنا جسم کھجاتا تو وہ سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ شاید یہ کہیں سے کچھ دینار نکال کر مجھے ہدیہ کر دے گا۔ وہ خود کہتا تھا کہ جب میں دو بندوں کو سرگوشی کرتے دیکھتا تو میں ہمیشہ یہ سوچا کرتا تھا کہ ان میں سے شاید کوئی یہ وصیت کر رہا ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری وراثت اشعب کو دے دینا۔

جب وہ بازار میں سے گزرتا اور مٹھائی بنانے والوں کو دیکھتا تو ان سے کہتا کہ بڑے بڑے لڈو پیڑے بناؤ۔ وہ کہتے کہ ہم بڑے لڈو کیوں بنائیں؟ یہ کہتا کہ کیا پتہ کوئی خرید کر مجھے ہدیے میں ہی دے دے۔

ایک مرتبہ لڑکوں نے اس کو گھیر لیا۔ حتی کہ اس کے لیے جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ بالآخر اس کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ لڑکوں سے کہنے لگا، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ سالم بن عبداللہ کچھ بانٹ رہے ہیں، تم بھی ادھر جاؤ شاید کچھ مل جائے۔ لڑکے سالم بن عبداللہ کی طرف بھاگے تو پیچھے سے اس نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ جب سالم بن عبداللہ کے پاس پہنچے تو وہ تو کچھ بھی نہیں بانٹ رہے تھے۔ لڑکوں نے اشعب سے کہا کہ آپ نے تو ہمیں ایسے ہی غلط بات کر دی۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے تو جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لڑکوں نے کہا کہ پھر تم خود ہمارے پیچھے پیچھے کیوں آ گئے؟ کہنے لگا کہ مجھے خیال آیا کہ شاید وہ کچھ بانٹ ہی رہے ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکمت یہودی کے ساتھ

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے خوب مال دیا تھا۔لیکن ان کے دل میں مال کی محبت نہیں تھی۔وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔بئر رومہ ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔اس وقت مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی مشکل کا سامنا تھا۔وہ اس یہودی سے پانی خریدتے تھے۔جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی دشواری کا سامنا ہے تو وہ یہودی کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ کنواں فروخت کردو۔اس نے کہا، میری تو بڑی کمائی ہوتی ہے میں تو نہیں بیچوں گا۔یہودی کا جواب سن کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ آدھا بیچ دیں اور قیمت پوری لے لیں۔وہ یہودی نہ سمجھ سکا۔اللہ والوں کے پاس فراست ہوتی ہے۔یہودی نے کہا، ہاں ٹھیک ہے کہ آدھا حق دوں گا اور قیمت پوری لوں گا۔چنانچہ اس نے قیمت پوری لے لی اور آدھا حق دے دیا اور کہا کہ ایک دن آپ پانی نکالیں اور دوسرے دن ہم پانی نکالیں گے۔

جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے پیسے دے دیئے تو آپ نے اعلان کروادیا کہ میری باری کے دن مسلمان اور کافر سب بغیر قیمت کے اللہ کے لیے پانی استعمال کریں۔جب لوگوں کو ایک دن مفت پانی ملنے لگا تو دوسرے دن خریدنے والا کون ہوتا تھا۔چنانچہ وہ یہودی چند مہینوں کے بعد آیا اور کہنے لگا، جی آپ مجھ سے باقی آدھا بھی خرید لیں۔آپ نے باقی آدھا بھی خرید کر اللہ کے لئے وقف کردیا۔ (خطباتِ فقیر، جلد ۹، صفحہ ۴۷)

مصیبت میں تقدیر کا سہارا لینا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین اپنے پروردگار کے سامنے گفتگو ہوئی اس میں

حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "آپ وہی آدم علیہ السلام تو ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا، پھر آپ میں اپنی خاص روح پھونکی، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا۔ آپ نے یہ کیا کیا کہ اپنی ایک خطا کی بدولت اپنی تمام اولاد کو زمین پر نکلوا پھینکا۔" آدم علیہ السلام نے فرمایا "اچھا تم بھی وہی موسیٰ تو ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور شرف ہم کلامی کے لیے منتخب کیا، تورات کی تختیاں عنایت فرمائیں جس میں ہر ہر بات کی تفصیل موجود تھی، پھر تم کو اپنی سرگوشی کے لیے قریب بلایا۔ ذرا بتاؤ تو سہی اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنے سال پہلے تورات لکھ دی تھی؟" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چالیس سال پہلے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا "کیا تم کو اس میں یہ لکھا ہوا بھی ملا:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔

"آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا۔" (سورۂ طٰہٰ ۱۲۱)

انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا "پھر بھلا ایسی بات پر مجھے کیا ملامت کرتے ہو جس کا کرنا اللہ تعالیٰ میری قسمت میں میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ چکا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بس اس بات پر آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" (مسلم شریف)

تشریح:- خلاق عالم نے عالم کو پیدا فرما کر جہاں عالم کے جملہ حوادث طے فرما کر لکھ دیئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نسل انسانی کی سبق آموزی کے لیے تقدیر کے ایک واقعہ کا ذکر بھی کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری ہی مشیت تھی کہ زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنائیں، اس لیے ہم نے ہی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ہم نے ہی ان کو گیہوں کھانے سے منع کیا اور پھر ہم نے ہی ان کو اس کی قدرت دے کر ان سے اس کا ارتکاب بھی کرایا اس کے بعد پھر ہم نے ہی آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ سوال کیا "اے آدم کیا ہم نے تم کو اس درخت کے پاس

جھٹکنے سے بھی منع نہیں کر دیا تھا اور کیا اس سے بھی خبر دار نہیں کر دیا تھا کہ دیکھو شیطان تمہارا بڑا پکا دشمن ہے اس کے کہے میں نہ آنا پھر تم ان سب باتوں کو فراموش کر کے کیوں گیہوں کھا بیٹھے۔''

اب نسل انسانی کو خوب سن لینا چاہیے کہ اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ صرف گریہ وزاری تھا اس کے سوا، ایک حرف تک منہ سے نہیں نکلا اور کلماتِ استغفار بھی اس وقت کہنے کی جرأت کی جب کہ پروردگار ہی کی طرف سے ان کا القار کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی بڑا سبق تھا کہ جو خالق اور مالک ہو اس سے سوال کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا یہ حق صرف اسی کا ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے باز پرس کرے۔ یہاں ممکن تھا کہ کسی کے دل میں وسوسہ گزر جاتا کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اس وقت جواب نہ آسکا ہوگا اس لیے عالم غیب میں اس عقدہ کے حل کے لیے بھی ایک محفل مکالمہ مرتب فرمائی گئی اور عالم غیب میں کشف اسرار کے لیے یہ بھی ایک طریقہ ہے اور گفتہ آید در حدیث دیگراں' کی صورت سے معاملہ کی حقیقت واضح کر دی گئی۔ یہاں ابو البشر سے مکالمہ کے لیے مشیت الٰہی نے ان کی اولاد میں سے ایسے فرزند کو منتخب فرمایا جو فطرۃً تیز مزاج اور ناز پروردہ تھے تاکہ ان سے گفتگو کی ابتدار کر سکیں اور ان کے سامنے سوال و جواب کے لیے یہی موضوع رکھ دیا اور ضمن میں یہ واضح کر دیا کہ ابو البشر کے پاس جواب تو تھا اور ایسا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر بھی اس کے جواب سے عاجز ہو گیا۔ یہاں معاملہ مخلوق کا مخلوق کے سامنے تھا لیکن جب یہی معاملہ خالق کے سامنے پیش آیا تھا تو آدم علیہ السلام ایسے لاجواب تھے کہ گریہ وزاری کے سوا ان کے پاس کوئی اور جواب ہی نہ تھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ آپ نے گیہوں کھایا کیوں، بلکہ یہ ہے کہ آپ نے ہم کو اس دارِ تکلیف میں رہنے کی مصیبت میں کیوں ڈال دیا، مگر چونکہ یہاں آنا

گیہوں کھانے کے نتیجہ میں ہوا تھا اس لیے اس کا ذکر بھی ضمناً آ گیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اپنی مصیبت کے لیے تقدیر کا عذر کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ نبی کے لیے ورنہ تو پھر تمام بساطِ شریعت ہی درہم برہم ہو جاتی ہے اور دنیا اپنے تمام معاصی کے لیے تقدیر کا عذر پیش کر کے اپنا پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ پس آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر اپنی مصیبت کے لیے نہیں کیا بلکہ دنیا میں آنے کی جو مصیبت ان کی اولاد کو پیش آ گئی ہے اس کی تسلی وتشفی کے لیے کیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ مصیبت تمہارے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی تھی پھر جو بات پہلے سے مقدر ہو چکی تھی اس کا باعث گو میں ہی ہوا لیکن اس پر مجھے ملامت کرنا درست نہیں وہ تو شدنی امر تھا، ہو کر رہا۔ مصیبت میں تقدیر کا ذکر کرنا رضاء بقضاء کی علامت ہے اور گناہ پر تقدیر کی آڑ لینا انتہائی جسارت ہے۔ آج بھی دنیا اس قسم کے مواقع میں تقدیر ہی کا تذکرہ کر کے اپنے دل کی تسلی کا سامان کیا کرتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص تجارت کا ایک شعبہ چھوڑ کر دوسرا شعبہ اختیار کرے اور اس میں اس کو کافی نقصان ہو جائے تو اگر لوگ اس تبدیلی پر اس کو ملامت کریں تو ان سے پیچھا چھڑانے اور اپنے نفس کو تسلی دینے کے لیے وہ تقدیر کا ہی پہلو اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے مقدر کی بات تھی اس لیے نقصان ہونا تھا ہو گیا، حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی مختلف تصانیف میں اس واقعہ کی بھی توجیہ فرمائی ہے اور یہی سب سے مستحسن اور بے تکلف بھی ہے مگر اس کی پوری وضاحت حافظ ابن قیمؒ نے فرمائی ہے، اس کے علاوہ بھی اور جوابات دیئے گئے ہیں مگر وہ سب تکلف معلوم ہوتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان کی تردید بھی فرمائی ہے۔ (دیکھو شفاء العلیل صفحہ ۱۸، وشرح عقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۷۹، البدایہ والنہایہ، جلد ۱، صفحہ ۸۵، ترجمان السنۃ، جلد ۳، صفحہ ۶۹، حدیث نمبر ۹۱۴)

ایک زمانہ آئے گا کہ قبر کی زمین بھی مہنگی ہو جائے گی

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے

پیچھے بٹھالیا۔ پھر فرمایا(۱) ''اگر کسی زمانہ میں لوگ بھوک کی شدت میں مبتلا ہوں ایسی بھوک کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بستر سے اٹھ کر نماز کی جگہ بھی نہ آسکو تو بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے۔'' انہوں نے عرض کیا یہ تو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ فرمایا ''دیکھو اس وقت بھی کسی سے سوال نہ کرنا۔'' (۲) ''اچھا ابوذرؓ! بتاؤ اگر لوگوں میں موت کی ایک گرم بازاری ہو جائے کہ ایک قبر کی قیمت ایک غلام کے برابر جا پہنچے، بھلا ایسے زمانے میں تم کیا کرو گے؟'' یہ بولے کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا ''دیکھو، صبر کرنا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا(۳) ''اگر لوگوں میں ایسا قتل وقتال ہو کہ خون ''حجار زیت'' تک بہہ جائے بھلا اس وقت تم کیا کرو گے؟'' انہوں نے عرض کیا یہ بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا ''بس اپنے گھر میں گھسے رہنا اور اندر سے اپنا دروازہ بند کر لینا۔'' انہوں نے عرض کیا اگر اس پر بھی چھوٹ نہ سکوں۔ فرمایا کہ ''پھر جس قبیلے میں کے ہو وہاں چلے جانا۔'' انہوں نے عرض کیا اگر میں بھی اپنے ہتھیار سنبھال لوں؟ فرمایا ''تو تم بھی فتنے میں ان کے شریک سمجھے جاؤ گے۔ اس لیے شرکت ہرگز نہ کرنا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تلوار کی چمک تم کو خوفزدہ کر دے گی تو اپنی چادر کا پلہ اپنے منہ پر ڈال لینا اور قتل ہونا گوارا کر لینا تمہارے اور قاتل کے گناہ سب کے سب قاتل ہی کے سر پڑ جائیں گے۔'' (ابن حبان، ترجمان السنۃ، جلد ۴، صفحہ ۴۲۷)

تہجد کے وقت مندرجہ ذیل کلمات دس دس مرتبہ پڑھیں

اَللّٰهُ اَكْبَرُ	دس بار
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ	دس بار
سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ	دس بار
سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ	دس بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ دس بار

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ دس بار

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ دس بار

(بحوالہ ابوداؤ دشریف، جلد ۲، صفحہ ۶۹۴، ابن السنی، صفحہ ۷۶۱)

دل کی بیماریاں دور کرنے کا مجرب نسخہ

"يَا قَوِيُّ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ قَوِّنِيْ وَقَلْبِيْ" ۷ مرتبہ ہر نماز کے بعد داہنا ہاتھ قلب پر رکھ کر پڑھے۔ اگر دوسرا پڑھے تو کہے۔

"يَا قَوِيُّ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ قَوِّهِ وَقَلْبَهٗ"

تمام ضرورتوں کو پورا کیے جانے کا مجرب نسخہ

"يَآ اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ" کثرت سے پڑھا جائے، بغیر قید تعداد

عیادت کے وقت بیمار کی شفایابی کی دعا

اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ ۷ مرتبہ پڑھنے سے مریض کو شفا ہوتی ہے۔ (مشکوۃ شریف، ۱۳۵)

رزق میں برکت اور ظاہری و باطنی غنار کا مجرب نسخہ

"يَـا مُـغْـنِـیْ" ۱۱۱۱ (گیارہ سو گیارہ) مرتبہ کسی وقت قبل و بعد درود شریف ۱۱-۱۱ مرتبہ پابندی سے پڑھیں۔

عمل سورۂ فلق حاسد کے حسد سے بچنے کا مجرب نسخہ ہے

سورۂ فلق ۳۶۰ رمرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلائیں اور دکان و مکان میں چھڑکیں اگر اس قدر نہ ہو سکے تو ۲۴۰ رمرتبہ پڑھیں یہ بھی نہ ہو سکے تو ۱۲۰ رمرتبہ پڑھیں۔ متعدد لوگ ملکر پڑھ سکتے ہیں، تین قسطوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

دشمن کے شر سے حفاظت کا مجرب نسخہ

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ بعد فجر اور بعد مغرب پڑھنا بہت نافع ہے۔

بیماری سے صحت پانے کا مجرب نسخہ

"یَـــا سَلَامُ" ۱۴۲ رمرتبہ روزانہ صبح وشام پڑھیں۔ اول وآخر درود شریف تین تین مرتبہ، متفرق اوقات میں جس قدر پڑھ سکیں پڑھ لیا کریں۔

مخالفین کے شر سے حفاظت کا مجرب نسخہ

"اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ. ہر نماز کے بعد ۱۱ مرتبہ پڑھا کریں۔

خارجی اثرات کو ہٹانے اور فتنوں کے شر سے حفاظت کا مجرب نسخہ

درود شریف تین بار، سورۂ فاتحہ تین بار، آیت الکرسی تین بار، سورۂ اخلاص تین بار، سورۂ فلق تین بار، سورۂ ناس تین بار۔

پڑھ کر دم کرنا اور جو پڑھ نہ سکے ان پر دوسرا دم کرے اور پانی پر دم کر کے پلانا، ہر نماز کے بعد ورنہ صبح وشام روزانہ ۱۱ر مرتبہ پڑھنا بہتر ہے۔

برائے تسہیل وتعجیل نکاح ورشتہ مناسب

(۱) والدین یا سرپرست میں سے کوئی پڑھے "یَا لَطِیْفُ یَا وَدُوْدُ" تعداد گیارہ سو گیارہ مرتبہ بعد عشار اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔

(۲) لڑکا یا لڑکی پڑھے "یَـا جَـامِعُ" گیارہ سو گیارہ مرتبہ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔

ہر بیماری سے شفا کے لیے

"الحمد شریف" گیارہ بار روزانہ پانی پر دم کر کے پلاتے رہیں، برابر سلسلہ رکھا جائے، سورۂ فلق، سورۂ ناس تین تین بار بڑھا لیں تو بہت اچھا ہے۔

دشمنوں کے شر سے حفاظت اور غلبہ کے لیے

"اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِ یْنَ" (پارہ ۱۴، رکوع ۶) ایک ہزار مرتبہ بعد نماز عشار ۱۱ر یوم پھر ۱۰۰ر مرتبہ یومیہ۔ اہم معاملہ میں ۱۱ر یوم سے زیادہ پڑھنا بہتر ہے۔

کام کی تکمیل اور آسانی کے واسطے

"یَـا سُبُّوْحُ یَا قُدُّوْسُ یَا غَفُوْرُ یَا وَدُوْدُ" حاکم کے سامنے یا جس سے کام ہو یا جو پریشان کرتا ہو اس کے سامنے جانے پر اس سے بات چیت پر چپکے چپکے پڑھیں، بلا قید تعداد پڑھیں۔

خاص ورد

اول آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُo

(۱) حفاظت از شرور وفتن ۳۴۱ر مرتبہ

(۲) برائے وسعت رزق وادائے قرض ۳۰۸ر مرتبہ

(۳) برائے تکمیل خاص کام ۱۱۱ر مرتبہ

(۴) برائے کفالت از مصائب و پریشانی ۱۴۰ر مرتبہ

بہ نیت اصلاح حال وادائے حقوق

”يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ يَا خَالِقَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ يَا عَزِيْزُ يَا لَطِيْفُ يَا غَفَّارُ“

۲۰۰ر مرتبہ چالیس یوم تک کسی وقت، پھر اس کے بعد روزانہ ۲۱-۲۱ مرتبہ اول وآخر ۱۱-۱۱ مرتبہ درود شریف۔

شیطان کی کہانی اس کی زبانی — آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے

شیطان کے مکروفریب کے بارے میں حدیث پاک میں بہت ہی عجیب واقعہ آیا ہے۔ ابن عامر نے عبید بن یسار سے لے کر نبی علیہ السلام تک اس واقعہ کی سند پہنچائی ہے۔ یہ واقعہ تلبیس ابلیس میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل میں برصیصا نامی ایک راہب تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل میں اس جیسا کوئی عبادت گزار نہیں تھا۔ اس نے ایک عبادت خانہ بنایا ہوا تھا۔ وہ اسی میں عبادت میں مست رہتا تھا۔ اسے لوگوں سے کوئی غرض نہیں تھی نہ تو وہ کسی سے ملتا تھا اور نہ ہی کسی کے پاس آتا

جاتا تھا۔شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا۔

برصیصا اپنے کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ ایسا عبادت گزار تھا کہ اپنا وقت ہرگز ضائع نہیں کرتا تھا۔شیطان نے دیکھا کہ جب دن میں کچھ وقت یہ تھکتے ہیں تو کبھی کبھی اپنی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھ لیتے ہیں۔ادھر کوئی آبادی نہیں تھی اس کا اکیلا صومعہ تھا۔اس کے اردگرد کھیت اور باغ تھے۔جب اس نے دیکھا کہ وہ دن میں ایک یا دو مرتبہ کھڑکی سے دیکھتے ہیں تو اس مردود نے انسانی شکل میں آکر اس کھڑکی کے سامنے نماز کی نیت باندھ لی .....اس کو نماز کیا پڑھنی تھی، فقط شکل بنا کر کھڑا تھا.....اب دیکھو کہ جس کی جولائن ہوتی ہے اس کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے مطابق (دلکش) بہروپ بناتا ہے.....

چنانچہ جب اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو ایک آدمی کو قیام کی حالت میں دیکھا وہ بڑا حیران ہوا۔ جب دن کے دوسرے حصے میں اس نے دوبارہ ارادتاً باہر دیکھا تو وہ رکوع میں تھا۔ بڑا لمبا رکوع کیا۔ پھر تیسری مرتبہ سجدے کی حالت میں دیکھا۔کئی دن اسی طرح ہوتا رہا۔آہستہ آہستہ برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی کہ یہ تو کوئی بڑا ہی بزرگ انسان ہے جو دن رات اتنی عبادتیں کر رہا ہے۔وہ کئی مہینوں تک اسی طرح شکل بنا کر قیام، رکوع اور سجدے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی کہ میں اس سے پوچھوں تو سہی کہ یہ کون ہے؟

جب برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی تو شیطان نے کھڑکی کے قریب مصلے بچھانا شروع کر دیا۔ جب مصلے کھڑکی کے قریب آ گیا اور برصیصا نے باہر جھانکا تو اس نے شیطان سے پوچھا، تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا، آپ کو مجھ سے کیا غرض ہے، میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ وہ سوچنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ کسی کی کوئی بات سننا گوارا ہی نہیں کرتا۔دوسرے دن برصیصا نے پوچھا کہ آپ اپنا تعارف تو کروائیں۔وہ کہنے لگا مجھے اپنا کام کرنے دو۔

اللہ کی شان کہ ایک دن بارش ہونے لگی۔ وہ بارش میں بھی نماز کی شکل بنا کر کھڑا ہو گیا۔ برصیصا کے دل میں بات آئی کہ جب یہ اتنا عبادت گزار ہے کہ اس نے بارش کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی، کیوں نہ میں ہی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کروں اور اس سے کہوں کہ میاں! اندر آ جاؤ۔ چنانچہ اس نے شیطان کو پیشکش کی کہ باہر بارش ہو رہی ہے، تم اندر آ جاؤ۔ وہ جواب میں کہنے لگا، ٹھیک ہے، مومن کو مومن کی دعوت قبول کر لینی چاہیے، لہٰذا میں آپ کی دعوت قبول کر لیتا ہوں۔ وہ تو چاہتا ہی یہی تھا۔ چنانچہ اس نے کمرے میں آ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ وہ کئی مہینوں تک اس کے کمرے میں عبادت کی شکل میں بنا رہا۔ وہ دراصل عبادت نہیں کر رہا تھا فقط نماز کی شکل بنا رہا تھا، لیکن دوسرا یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کو نماز سے کیا غرض تھی، وہ تو اپنے مشن پر تھا۔

جب کئی مہینے گزر گئے تو برصیصا نے اسے واقعی بہت بڑا بزرگ سمجھنا شروع کر دیا اور اس کے دل میں اس کی عقیدت پیدا ہونا شروع ہو گئی اتنے عرصے کے بعد شیطان برصیصا سے کہنے لگا کہ اب میرا سال پورا ہو چکا ہے لہٰذا میں اب یہاں سے جاتا ہوں۔ میرا مقام کہیں اور ہے۔ روانہ ہوتے وقت ویسے ہی دل نرم ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا وہ برصیصا سے کہنے لگا، اچھا میں آپ کو جاتے جاتے ایک ایسا تحفہ دے جاتا ہوں جو مجھے اپنے بڑوں سے ملا تھا۔ وہ تحفہ یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھی بیمار آئے تو اس پر یہ پڑھ کر دم کر دیا کرنا، وہ ٹھیک ہو جایا کرے گا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کوئی آیا تھا اور تحفہ دے گیا تھا۔ برصیصا نے کہا، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ ہمیں یہ نعمت طویل مدت کی محنت کے بعد ملی ہے، میں وہ نعمت تمہیں تحفے میں دے رہا ہوں اور تم انکار کر رہے ہو، تم تو بڑے نالائق انسان ہو۔ یہ سن کر برصیصا کہنے لگا، اچھا جی، مجھے بھی سکھا ہی دیں۔ چنانچہ شیطان نے اسے ایک دم سکھا دیا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا کہ اچھا پھر کبھی ملیں گے۔

وہ وہاں سے سیدھا بادشاہ کے گھر گیا۔ بادشاہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ شیطان

نے جا کر اس کی بیٹی پر اثر ڈالا اور وہ مجنونہ سی بن گئی۔ وہ خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی تھی لیکن شیطان کے اثر سے اسے دورے پڑنا شروع ہو گئے۔ بادشاہ نے اس کے علاج کے لیے حکیم اور ڈاکٹر بلوائے۔ کئی دنوں تک وہ اس کا علاج کرتے رہے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جب کئی دنوں کے علاج کے بعد بھی کچھ افاقہ نہ ہوا تو شیطان نے بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں سے علاج تو کروالیا ہے، اب کسی دَم والے ہی سے دَم کروا کر دیکھ لو۔ یہ خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ ہاں کسی دَم والے کو تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنے سرکاری نمائندے بھیجے تا کہ وہ پتہ کر کے آئیں کہ اس وقت سب سے زیادہ نیک بندہ کون ہے؟ سب نے کہا کہ اس وقت سب سے زیادہ نیک آدمی تو برصیصا ہے اور وہ تو کسی سے ملتا ہی نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر وہ کسی سے نہیں ملتا تو ان کے پاس جا کر میری طرف سے درخواست کرو کہ ہم آپ کے پاس آجاتے ہیں۔

کچھ آدمی برصیصا کے پاس گئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا آپ مجھے ڈسٹرب کرنے کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی بیمار ہے، حکیموں اور ڈاکٹروں سے بڑا علاج کروایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، بادشاہ چاہتے ہیں کہ آپ بیشک یہاں نہ آئیں تا کہ آپ کی عبادت میں خلل نہ آئے، ہم آپ کے پاس بچی کو لے کر آجاتے ہیں، آپ یہیں اس بچی کو دَم کر دینا، ہمیں امید ہے کہ آپ کے دَم کرنے سے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ہاں میں نے ایک دَم سیکھا تو تھا، اس دَم کو آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے۔ چلو یہ تو پتہ چل جائے گا کہ وہ دَم ٹھیک بھی ہے یا نہیں، چنانچہ اس نے ان لوگوں کو بادشاہ کی بیٹی کو لانے کی اجازت دے دی۔

بادشاہ اپنی بیٹی کو برصیصا کے پاس لے کر آ گیا اس نے جیسے ہی دَم کیا وہ فوراً ٹھیک ہو گئی۔ مرض بھی شیطان نے لگایا تھا اور دَم بھی اسی نے بتایا تھا۔ لہٰذا دم کرتے ہی شیطان اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ بادشاہ کو پکا یقین ہو گیا کہ میری بیٹی اس کے دَم

سے ٹھیک ہوئی ہے۔

ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد اس نے پھر اسی طرح بچی پر حملہ کیا اور وہ اسے پھر برصیصا کے پاس لے آئے۔ اس نے دَم کیا تو وہ پھر اُسے چھوڑ کر چلا گیا حتیٰ کہ دو چار دن کے بعد بادشاہ کو پکا یقین ہو گیا کہ میری بیٹی کا علاج اس کے دَم میں ہے اب برصیصا کی بڑی شہرت ہوئی کہ اس کے دَم سے بادشاہ کی بیٹی ٹھیک ہو جاتی ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد اس بادشاہ کے ملک پر کسی نے حملہ کیا۔ وہ اپنے شہزادوں کے ہمراہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کرنے لگا۔ اب بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ اگر جنگ میں جائیں تو بیٹی کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ کسی وزیر کے پاس چھوڑ جائیں اور کسی نے کوئی اور مشورہ دیا۔ بادشاہ کہنے لگا کہ اگر اس کو دوبارہ بیماری لگ گئی تو پھر کیا بنے گا؟ برصیصا تو کسی کی بات بھی نہیں سنے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خود برصیصا کے پاس اپنی بیٹی کو چھوڑ جاتا ہوں ......دیکھو شیطان کیسے جوڑ ملا رہا ہے..... بادشاہ اپنے تینوں بیٹوں اور بیٹی کو لے کر برصیصا کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ ہم جنگ پر جا رہے ہیں، زندگی اور موت کا پتہ نہیں ہے۔ مجھے اس وقت سب سے زیادہ اعتماد تم ہی پر ہے اور میری بیٹی کا علاج بھی تمہارے ہی پاس ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ یہ بچی تمہارے پاس ہی ٹھہر جائے۔ برصیصا کہنے لگا، توبہ توبہ!!! میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں کہ یہ اکیلی میرے پاس ٹھہرے۔ بادشاہ نے کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس آپ اجازت دے دیں، میں اس کے رہنے کے لیے آپ کے عبادت خانے کے سامنے ایک گھر بنوا دیتا ہوں اور یہ اسی گھر میں ٹھہرے گی۔ برصیصا نے یہ سن کر کہا، چلو ٹھیک ہے۔ جب اس نے اجازت دی تو بادشاہ نے اس کے عبادت خانے کے سامنے گھر بنوا دیا اور بچی کو وہاں چھوڑ کر جنگ پر روانہ ہو گئے۔

اب برصیصا کے دل میں بات آئی کہ میں اپنے لیے تو کھانا بناتا ہی ہوں، اگر بچی کا کھانا

بھی میں ہی بنا دیا کروں تو اس میں کیا حرج ہے۔ کیوں کہ وہ اکیلی ہے پتہ نہیں کہ اپنے لیے کھانا پکائے گی بھی یا نہیں پکائے گی۔ چنانچہ وہ کھانا بناتا اور آدھا خود کھا کر باقی آدھا کھانا اپنے عبادت خانے کے دروازے کے باہر رکھ دیتا اور اپنا دروازہ کھٹکھٹا دیتا۔ یہ اس لڑکی کے لیے اشارہ ہوتا تھا کہ اپنا کھانا اُٹھالو۔ اس طرح وہ لڑکی کھانا اُٹھا کر لے جاتی اور کھالیتی۔ کئی مہینوں تک یہی معمول رہا۔

اس کے بعد شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو، وہ لڑکی اکیلی رہتی ہے، تم کھانا پکا کر اپنے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو اور لڑکی کو وہ کھانا اُٹھانے کے لیے گلی میں نکلنا پڑتا ہے۔ اگر کبھی کسی مرد نے دیکھ لیا تو وہ تو اس کی عزت خراب کر دے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کھانا بنا کر اس کے دروازے کے اندر رکھ دیا کرو تاکہ اس کو باہر نہ نکلنا پڑے۔ چنانچہ برصیصا نے کھانا بنا کر اس کے دروازے کے اندر رکھنا شروع کر دیا۔ وہ کھانا رکھ کر کنڈی کھٹکھٹا دیتا اور وہ کھانا اُٹھا لیتی۔ یہی سلسلہ چلتا رہا۔

جب کچھ اور مہینے بھی گزر گئے تو شیطان نے اس کے دل میں ڈالا کہ تم خود تو عبادت میں لگے رہتے ہو۔ یہ لڑکی اکیلی ہے، ایسا نہ ہو کہ تنہائی کی وجہ سے اور زیادہ بیمار ہو جائے، اس لیے بہتر ہے کہ اس کو کچھ نصیحت کر دیا کرو تاکہ یہ بھی عبادت گزار بن جائے اور اس کا وقت ضائع نہ ہو۔ یہ خیال دل میں آتے ہی اس نے کہا کہ ہاں، یہ بات تو بہت اچھی ہے لیکن اس کام کی کیا ترتیب ہونی چاہیے۔ شیطان نے اس بات کا جواب بھی اس کے دل میں ڈالا کہ اس کو کہہ دو کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر آجایا کرے اور تم بھی اپنے گھر کی چھت پر بیٹھ جایا کرو اور اسے وعظ و نصیحت کیا کرو۔ چنانچہ اس نے اسی ترتیب سے وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دی اس کے وعظ کا اس لڑکی پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے نمازیں اور وظیفے شروع کر دیئے اب شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھ، تیری نصیحت کا اس پر کتنا اثر ہوا۔ ایسی نصیحت تو ہر روز ہونی چاہیے۔ چنانچہ اس نے روزانہ نصیحت کرنی شروع کر دی۔

اسی طرح کرتے کرتے جب کچھ وقت گزر گیا تو شیطان نے پھر اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اپنے گھر کی چھت پر بیٹھتے ہو اور وہ اپنے گھر کی چھت پر بیٹھتی ہے، راستے میں سے گزرنے والے کیا باتیں سوچیں گے کہ یہ کون باتیں کر رہے ہیں؟ اس طرح تو بہت ہی غلط تاثر پیدا ہو جائے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ چھت پر بیٹھ کر اونچی آواز سے بات کرنے کی بجائے تم دروازے سے باہر کھڑے ہو کر تقریر کرو اور وہ دروازے کے اندر کھڑے ہو کر سن لے، پردہ تو ہوگا ہی سہی۔ چنانچہ اب ترتیب سے وعظ ونصیحت شروع ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک اسی طرح معمول رہا۔

اس کے بعد شیطان نے پھر برصیصا کے دل میں خیال ڈالا کہ تم باہر کھڑے رہ کر تقریر کرتے ہو، دیکھنے والے کیا کہیں گے کہ پاگلوں کی طرح ایسے ہی باتیں کر رہا ہے، اس لیے اگر تقریر کرنی ہی ہے تو چلو کواڑ کے اندر کھڑے ہو کر کر لیا کرو۔ وہ دور کھڑی ہو کر سن لیا کرے گی۔ چنانچہ اب اس نے دروازے کے اندر کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دی جب اس نے اندر کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کی تو لڑکی نے اس کو بتایا کہ اتنی نمازیں پڑھتی ہوں اور اتنی عبادت کرتی ہوں۔ یہ سن کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ میری باتوں کا اس پر بڑا اثر ہو رہا ہے۔ اب میں اکیلا ہی عبادت نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ بھی عبادت کر رہی ہے۔ کئی دن تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔

بالآخر شیطان نے لڑکی کے دل میں برصیصا کی محبت ڈالی اور برصیصا کے دل میں لڑکی کی محبت ڈالی۔ چنانچہ لڑکی نے کہا کہ آپ جو کھڑے کھڑے بیان کرتے ہیں، میں آپ کے لیے چارپائی ڈال دیا کروں گی، آپ اس پر بیٹھ کر بیان کر دیا کرنا اور میں دور بیٹھ کر سن لیا کروں گی۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ لڑکی نے دروازے کے قریب چارپائی ڈال دی۔ برصیصا اس پر بیٹھ کر نصیحت کرتا رہا اور لڑکی دور بیٹھ کر بات سنتی رہی۔ اس دوران شیطان نے برصیصا کے دل میں لڑکی کے لیے بڑی شفقت و ہمدردی پیدا کر دی۔ کچھ دن گزرے تو

شیطان نے عابد کے دل میں بات ڈالی کہ نصیحت سنانی تو لڑکی کو ہوتی ہے دور بیٹھنے کی وجہ سے اونچا بولنا پڑتا ہے۔ گلی سے گزرنے والے لوگ بھی سنتے ہیں، کتنا اچھا ہو کہ یہ چار پائی ذرا آگے کر کے رکھ لیا کریں اور پست آواز میں گفتگو کر لیا کریں۔ چنانچہ برصیصا کی چار پائی لڑکی کی چار پائی کے قریب تر ہو گئی اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔

کچھ عرصہ اسی طرح گزرا تو شیطان نے لڑکی کو مزین کر کے برصیصا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا اور وہ یوں اس لڑکی کے حسن و جمال کا گرویدہ ہوتا گیا۔ اب شیطان نے برصیصا کے دل میں جوانی کے خیالات ڈالنا شروع کر دیئے حتّٰی کہ برصیصا کا دل عبادت خانے سے اُچاٹ ہو گیا اور اس کا زیادہ وقت لڑکی سے باتیں کرنے میں گزر جاتا۔ سال گزر چکا تھا۔ ایک دفعہ شہزادوں نے آکر شہزادی کی خبر گیری کی تو شہزادی کو خوش خرم پایا اور راہب کے گن گاتے دیکھا۔ شہزادوں کو لڑائی کے دوبارہ سفر پر جانا تھا اس لیے وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اب شہزادوں کے جانے کے بعد شیطان نے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ چنانچہ اس نے برصیصا کے دل میں لڑکی کا عشق پیدا کر دیا اور لڑکی کے دل میں برصیصا کا عشق بھر دیا۔ حتی کے دونوں طرف برابر کی آگ سلگ اُٹھی۔

اب جس وقت عابد نصیحت کرتا تو سارا وقت اس کی نگاہیں شہزادی کے چہرے پر جمی رہتیں۔ شیطان لڑکی کو ناز و انداز سکھاتا اور وہ سراپا نازنین رشک قمر اپنے انداز و اطوار سے برصیصا کا دل لبھاتی۔ حتی کہ عابد نے علیحدہ چار پائی پر بیٹھنے کی بجائے لڑکی کے ساتھ ایک ہی چار پائی پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ اب اس کی نگاہیں جب شہزادی کے چہرے پر پڑیں تو اس نے اسے سراپا حسن و جمال اور جاذب نظر پایا۔ چنانچہ عابد اپنے شہوانی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور اس شہزادی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ شہزادی نے مسکرا کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔ یہاں تک کہ برصیصا زنا کا مرتکب ہو گیا۔ جب دونوں کے درمیان سے حیا کی دیوار ہٹ گئی اور زنا کے مرتکب ہوئے تو وہ آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے لگ گئے۔ اس دوران

شہزادی حاملہ ہوگئی۔

اب برصیصا کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو کیا بنے گا، مگر شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہ کوئی فکر کی بات نہیں، جب وضع حمل ہوگا تو نومولود کو زندہ درگور کر دینا اور لڑکی کو سمجھا دینا، وہ اپنا بھی عیب چھپائے گی اور تمہارا عیب بھی چھپائے گی۔ اس خیال کے آتے ہی ڈر اور خوف کے تمام حجاب دور ہوگئے اور برصیصا بے خوف وخطر ہوس پرستی اور نفس پرستی میں مشغول رہا۔

ایک وہ دن بھی آیا جب اس شہزادی نے بچے کو جنم دیا۔ جب بچے کو وہ دودھ پلانے لگی تو شیطان نے برصیصا کے دل میں ڈالا کہ اب تو ڈیڑھ دو سال گزر گئے ہیں اور بادشاہ اور دیگر لوگ جنگ سے واپس آنے والے ہیں۔ شہزادی ان کو سارا ماجرا سنا دے گی۔ اس لیے تم اس کا بیٹا کسی بہانے سے قتل کر دو تا کہ گناہ کا ثبوت نہ رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ شہزادی سوئی ہوئی تھی۔ اس نے بچے کو اٹھایا اور قتل کر کے گھر کے صحن میں دبا دیا۔ اب ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔ جب وہ اٹھی تو اس نے کہا، میرا بیٹا کدھر ہے؟ اس نے کہا، مجھے تو کوئی خبر نہیں ہے۔ ماں نے ادھر ادھر دیکھا تو بیٹے کا کہیں سراغ نہ ملا۔ چنانچہ وہ اس سے خفا ہونے لگی۔ جب وہ خفا ہونے لگی تو شیطان نے برصیصا کے دل میں بات ڈالی کہ دیکھو، یہ ماں ہے، یہ اپنے بچے کو ہرگز نہیں بھولے گی، پہلے تو نہ معلوم یہ بتاتی یا نہ بتاتی اب تو یہ ضرور بتا دے گی لہٰذا اب ایک ہی علاج باقی ہے لڑکی کو بھی قتل کر دو۔ تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ جب بادشاہ آ کر پوچھے گا تو بتا دینا کہ وہ بیمار ہوئی تھی اور مرگئی تھی۔ جیسے ہی اس کے دل میں یہ بات آئی کہنے لگا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے لڑکی کو بھی قتل کر دیا اور لڑکے کے ساتھ ہی صحن میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی عبادت میں لگ گیا۔

کچھ مہینوں کے بعد بادشاہ سلامت واپس آ گئے۔ اس نے بیٹوں کو بھیجا کہ جاؤ اپنی

بہن کو لے آؤ۔ وہ برصیصا کے پاس آئے اور کہنے لگے، جی ہماری بہن آپ کے پاس تھی، ہم اسے لینے آئے ہیں۔ برصیصا ان کی بات سن کر رو پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کی بہن بہت اچھی تھی، بڑی نیک تھی اور ایسے ایسے عبادت کرتی تھی، لیکن وہ اللہ کو پیاری ہوگئی یہ صحن میں اس کی قبر ہے۔ بھائیوں نے جب سنا تو وہ رو دھو کر واپس چلے گئے۔

گھر جا کر جب وہ رات کو سوئے تو شیطان خواب میں بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس سے پوچھنے لگا، بتاؤ تمہاری بہن کا کیا بنا؟ وہ کہنے لگا، ہم جنگ کے لیے گئے ہوئے تھے، اسے برصیصا کے پاس چھوڑ کر گئے تھے، وہ اب فوت ہو چکی ہے۔ شیطان کہنے لگا، وہ تو فوت نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ اگر فوت نہیں ہوئی تو پھر کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا برصیصا نے خود یہ کرتوت کیا ہے اور اس نے خود اسے قتل کیا ہے اور فلاں جگہ اسے دفن کیا اور بچے کو اس نے اسی کے ساتھ دفن کیا ہے۔ اس کے بعد وہ خواب میں ہی اس کے درمیانے بھائی کے پاس گیا اور اس کو بھی یہی کچھ کہا اور پھر اس کے چھوٹے بھائی کے پاس جا کر بھی یہی کچھ کہا۔

تینوں بھائی جب صبح اٹھے تو ایک نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے یہی خواب دیکھا اور تیسرے نے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ سب کو ایک جیسا خواب آیا ہے۔ سب سے چھوٹے بھائی نے کہا یہ اتفاق کی بات نہیں ہے بلکہ میں تو جا کر تحقیق کروں گا۔ دوسرے نے کہا، چھوڑو بھائی یہ کون سی بات ہے، جانے دو۔ وہ کہنے لگا نہیں میں تو ضرور تفتیش کروں گا۔ چنانچہ چھوٹا بھائی غصہ میں آ کر چل پڑا۔ اسے دیکھ کر باقی بھائی بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ انہوں نے جب جا کر زمین کو کھودا تو انہیں اس میں بہن کی ہڈیاں بھی مل گئیں اور ساتھ ہی چھوٹے سے بچے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی مل گیا۔

جب ثبوت مل گیا تو انہوں نے برصیصا کو گرفتار کر لیا۔ اسے جب قاضی کے پاس لے

جایا گیا تو اس نے قاضی کے روبرو اپنے اس گھناؤنے اور مکروہ فعل کا اقرار کر لیا اور قاضی نے برصیصا کو پھانسی دینے کا حکم دے دیا۔

جب برصیصا کو پھانسی کے تختے پر لایا گیا اور اس کے گلے میں پھندا ڈالا گیا اور پھر پھندا کھینچنے کا وقت آیا تو پھندا کھینچنے سے عین دو چار لمحے پہلے شیطان اس کے پاس وہی عبادت گزار کی شکل میں آیا۔ وہ اس سے کہنے لگا، کیا مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ برصیصا نے کہا، ہاں میں تمہیں پہچانتا ہوں تم وہی عبادت گزار ہو جس نے مجھے وہ دَم بتایا تھا۔ شیطان نے کہا، وہ دَم بھی آپ کو میں نے بتایا تھا۔ لڑکی کو بھی میں نے اپنا اثر ڈال کر بیمار کیا تھا، اسے قتل بھی میں نے تجھ سے کروایا تھا اور اگر اب تو بچنا چاہے تو میں ہی تجھے بچا سکتا ہوں۔ برصیصا نے کہا، اب تم مجھے کیسے بچا سکتے ہو؟ یہ کہنے لگا، تم میری ایک بات مان لو میں تمہارا یہ کام کر دیتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ میں آپ کی کون سی بات مانوں؟ اس شیطان نے کہا کہ بس یہ کہہ دو کہ خدا نہیں ہے۔ برصیصا کے تو حواس باختہ ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ چلو میں ایک دفعہ یہ کہہ دیتا ہوں، پھر پھانسی سے بچنے کے بعد دوبارہ اقرار کر لوں گا۔ چنانچہ اس نے کہہ دیا، خدا موجود نہیں ہے۔ عین اس لمحہ میں کھینچنے والے نے پھندا کھینچ دیا اور یوں اس عبادت گزار کی کفر پر موت آ گئی۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ کتنی لانگ ٹرم پلاننگ کر کے انسان کو گناہ کے قریب کرتا چلا جاتا ہے اس سے انسان نہیں بچ سکتا، اللہ ہی اس سے بچا سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت کے حضور یوں دعا مانگنی چاہیے۔

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ."

(اے اللہ! ہمیں شیطان مردود کے شر سے محفوظ فرما۔ اے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں)

وساوس سے دین کا ضرر بالکل نہیں ہوتا اطمینان رکھیے

سوال مکرم ومحترم جناب مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام گزارش ہے کہ آج کل میں وسوسوں کا مریض بن چکا ہوں۔ دن بدن وساوس بڑھتے جارہے ہیں۔ جس سے دل میں شدید بے قراری ہوتی ہے۔ برائے کرم کوئی مناسب علاج میرے لیے تجویز فرمائیے۔

جواب مندرجہ ذیل باتوں کا اہتمام کیجیے۔

(۱) وساوس سے دین کا ضرر بالکل نہیں ہوتا، اطمینان رکھیے۔

(۲) کسی دینی یا دنیوی کام میں مشغول ہو جایئے۔

(۳) وساوس کو دور کرنے کی فکر مت کیجیے، اس سے اور لپٹتے ہیں۔

(۴) وساوس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کتا بھونکتا ہے اس کے بھگانے کی فکر نہ کی جائے۔

(۵) وساوس آتے ہی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ پڑھ لینا کافی ہے، یعنی ایمان لایا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر۔ (حصن حصین صفحہ ۲۲۵)

(۶) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کا ورد رکھیے۔

(۷) صبح وشام اس دعا کا اہتمام کیجیے۔ ''اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءً اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ'' (ابوداؤد، صحیح ترمذی جلد۳، صفحہ ۱۴۲)

(۸) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھیئے۔ دس مرتبہ صبح (حصن حصین صفحہ ۲۲۵)

(۹) اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے) پڑھیے۔ (حصن حصین صفحہ ۲۲۵)

واللہ اعلم

والسلام

اللہ کی رضا کا طالب: محمد یونس پالنپوری

مالدار یا مال کے چوکیدار

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار تو وہ ہوتے ہیں کہ جن کے پاس مال ہو اور اللہ کے راستے میں خوب لگا رہے ہوں اور مال کے چوکیدار وہ ہوتے ہیں جو روزانہ بینک بیلنس چیک کرتے ہیں۔ وہ گنتے رہتے ہیں کہ اب اتنے ہوگئے اب اتنے ہوگئے۔ وہ بیچارے چوکیداری کر رہے ہوتے ہیں خود تو چلے جائیں گے اور ان کی اولادیں عیاشیاں کریں گی۔

دنیوی زندگی کی مثال قرآن نے پانی سے کیوں دی ہے؟

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (کہف ۴۵)

’’اور ان کو بتادیں کہ دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اتارا پانی آسمان سے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی مثال پانی سے دی ہے۔ دنیا اور پانی میں آپ کو کئی چیزیں مشترکہ نظر آئیں گی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) پانی کی صفت ہے کہ وہ ایک جگہ پر کبھی نہیں ٹھہرتا۔ اسے جہاں بہنے کا موقع ملے بہتا ہے۔ جس طرح پانی ایک جگہ پر کبھی نہیں ٹھہرتا۔ اسی طرح دنیا بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی جہاں موقع ملتا ہے دنیا ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ جو بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دنیا ہے اس کے پاس سے دنیا روزانہ کھسک رہی ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہے۔ کسی کے پاس سے پچاس سال میں کھسکتی ہے، کسی کے پاس سے ستر سال میں کھسکتی ہے اور کسی کے پاس سے سو سال میں کھسکتی ہے۔ مگر بندے کو پتہ نہیں چلتا۔ یہ ہر بندے کے پاس جاتی ہے مگر یہ کسی کے پاس ٹھہرتی نہیں ہے۔ اس نے کئی لوگوں سے نکاح کیے اور ان سب کو رنڈوا کیا۔ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ خواب میں دنیا کو ایک کنواری لڑکی کے مانند دیکھا۔ انہوں نے پوچھا تو نے لاکھوں نکاح کیے اس کے باوجود کنواری ہی رہی؟ کہنے لگی، جنہوں نے مجھ سے نکاح کیے وہ مرد نہیں تھے اور جو مرد تھے وہ مجھ سے نکاح کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔

اس لیے اللہ والے دنیا کی طرف محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ان کی نظر میں مطلوبِ حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے۔ وہ آخرت کی لذتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بلکہ جب ان کو دنیا کی لذتیں ملتی ہیں تو وہ اس بات سے گھبراتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نیک اعمال کا اجر آخرت کے بجائے کہیں ہمیں دنیا ہی میں نہ دے دیا جائے۔

(۲) دوسری صفت یہ ہے کہ جو آدمی بھی پانی میں داخل ہوتا ہے وہ تر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی طرح دنیا بھی ایسی ہے کہ جو آدمی بھی اس میں گھسے گا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(۳) تیسری صفت یہ ہے کہ پانی جب ضرورت کے مطابق ہو فائدہ مند ہوتا ہے اور

جب ضرورت سے بڑھ جائے تو نقصان دہ ہوتا ہے اسی طرح دنیا بھی اگر ضرورت کے مطابق ہو تو بندے کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے اور جب ضرورت سے بڑھ جائے تو پھر یہ نقصان پہنچانا شروع کر دیتی ہے۔ پانی کا سیلاب جب آتا ہے تو بند بھی توڑ دیتا ہے کیوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ مال ہوتا ہے وہ عیاشیاں کرتے ہیں اور شریعت کی حدود کو توڑ دیتے ہیں۔ جو لوگ جوئے کی بازیاں لگاتے ہیں اور ایک ایک رات میں لاکھوں گنواتے ہیں وہ ان کی ضرورت کا پیسہ تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ انہیں تو بالکل پرواہ ہی نہیں ہوتی۔

دنیا استغنار سے آتی ہے

ہمارے اکابرین پر ایسے ایسے واقعات پیش آئے کہ انہیں وقت کے بادشاہوں نے بڑی بڑی جاگیریں پیش کیں مگر انہوں نے اپنی ذات کے لیے کبھی قبول نہ کیں۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ کے پوتے حضرت سالمؒ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تشریف لائے۔ مطاف میں آپ کی ملاقات وقت کے بادشاہ ہشام بن عبدالملک سے ہوئی۔ ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا حضرت! کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں تاکہ میں آپ کی کوئی خدمت کرسکوں۔ آپ نے فرمایا، ہشام! مجھے بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر غیر اللہ کے سامنے حاجت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیوں کہ ادب الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہاں فقط اسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔ ہشام لاجواب ہوگیا۔ قدرتاً جب آپ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔ آپ کو دیکھ کر وہ پھر قریب آیا اور کہنے لگا حضرت! اب فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہشام! بتاؤ میں تم سے کیا مانگوں دین یا دنیا؟ ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپ کا شمار وقت کی بزرگ ترین

ہستیوں میں ہوتا ہے، لہٰذا کہنے لگا، حضرت! آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ''دنیا تو میں نے کبھی دنیا کے بنانے والے سے بھی نہیں مانگی بھلا تم سے کیا مانگوں گا۔'' یہ سنتے ہی ہشام کا چہرہ لٹک گیا اور وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

شیطان رشوت نہیں لیتا ہے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان ہمارا ایسا دشمن ہے کہ جو کبھی رشوت قبول نہیں کرتا باقی دشمن ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ہدیے، تحفے اور رشوت دے دے تو وہ نرم پڑ جائیں گے اور مخالفت چھوڑ دیں گے اور اگر خوشامد کی جائے تو اسے بھی وہ مان جائیں گے مگر شیطان وہ دشمن ہے جو نہ تو رشوت قبول کرتا ہے اور نہ خوشامد قبول کرتا ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم ایک دن بیٹھ کر اس کی خوشامد کر لیں گے اور یہ ہماری جان چھوڑ جائے۔ یہ ہرگز نہیں چھوڑے گا اس لئے کہ یہ ایمان کا ڈاکو ہے اور اس کی ہر وقت اس بات پر نظر ہے کہ میں کس طرح انسان کو ایمان سے محروم کر دوں۔

وضو کی ترتیب میں سنت کو فرض پر مقدم کیوں کیا؟

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال بعد سلام، گزارش ہے کہ مجھے ایک طالب علمانہ سوال ہوتا ہے کہ وضو میں چہرے کا دھونا فرض کی رو سے ضروری ہے جب کہ اس فرضیت کی ادائیگی سے پہلے ہاتھ بھی دھوتے ہیں، کلی بھی کرتے ہیں اور ناک میں بھی پانی ڈالتے ہیں جب کہ یہ سب چیزیں سنت کی قبیل سے ہیں تو وضو کی ترتیب میں حق یہ بنتا ہے کہ فرض پہلے ہو اور سنتیں بعد میں ہوں، لہٰذا سنت کو فرض پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: فقہاء نے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ جب کوئی آدمی پانی سے وضو کرنے لگے گا اور وہ اپنے ہاتھ میں پانی لے گا تو اسے آنکھوں سے دیکھ کر پانی کے رنگ کا پتہ چلے گا جب منہ میں ڈالے گا تو ذائقہ کا پتہ چلے گا اور جب ناک میں ڈالے گا تو اسے بو کا پتہ چل جائے گا۔ اسی طریقہ سے جب اسے تسلی ہو جائے گی کہ پانی کا رنگ بھی ٹھیک ہے، اس کا ذائقہ بھی ٹھیک ہے اور اس کی بو بھی ٹھیک ہے تو وہ شریعت کا حکم پورا کرنے کے لیے چہرے کو دھوئے گا۔

مکرم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: بعد سلام، گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا کو کھیل تماشا کیوں فرمایا:

جواب: قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ٥ (عنکبوت ۶۴)

”اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل تماشا اور آخرت کی زندگی تو ہمیشہ رہنے والی ہے کاش یہ جان لیتے۔“

جواب (۱): دنیا میں سب سے جلدی ختم ہونے والی چیز کھیل تماشا ہے۔ جتنے بھی کھیل تماشے ہیں۔ وہ چند گھڑیوں کے ہوتے ہیں۔ اسکرین پر تماشا دیکھیں تو بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے۔ سرکس کا تماشا بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے، ریچھ بندر کا تماشا بھی چند گھڑیوں کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی دنیا کو کھیل تماشے کے ساتھ تشبیہ دی ہے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ دنیا گھڑی دو گھڑی کا معاملہ ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں گے:

''مَالَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ'' (الروم:۵۵)(وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی)
حتّٰی کہ کچھ تو یہاں تک کہیں گے:
لَمْ یَلْبَثُوْآ اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا ○ (النّٰزعٰت:۴۶)
(وہ دنیا میں نہیں رہے مگر صبح کا تھوڑا سا وقت یا شام کا تھوڑا سا وقت)
سوسال کی زندگی بھی تھوڑی سی نظر آئے گی گویا
''خواب تھا جو کچھ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

جواب (۲): دنیا کو کھیل تماشے سے تشبیہ دینے میں دوسری بات یہ تھی کہ عام طور پر کھیل تماشا دیکھنے کے بعد بندے کو افسوس ہی ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ بس پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی ضائع کیا۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشا دیکھتے ہیں وہ بعد میں کہتے ہیں کہ بس ہم ایسے ہی چلے گئے، ہمارے کئی ضروری کام رہ گئے ہیں۔ دنیا دار کا بھی بالکل یہی حال ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت افسوس کرتا ہے کہ میں نے تو اپنی زندگی ضائع کر دی۔

جواب (۳): ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج کل کے کھیل تماشے عام طور پر سائے کی مانند ہوتے ہیں۔ اسکرین پر تو نظر آتا ہے کہ بندے چل رہے ہیں مگر حقیقت میں ان کا سایہ چل رہا ہوتا ہے اور جو ان کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ سائے کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ دنیا کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے وہ بھی سایہ کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بہترین مال وہ ہے جو جیب میں ہو دل میں نہ ہو
بدترین مال وہ ہے جو جیب میں نہ ہو دل میں ہو

مال کی مثال پانی کی سی ہے۔ کشتی کے چلنے کے لیے پانی ضروری ہے۔ مگر کشتی تب چلتی ہے جب پانی کشتی کے نیچے ہوتا ہے اور اگر نیچے کی بجائے پانی کشتی کے اندر آ جائے تو یہی پانی اس کے ڈوبنے کا سبب بن جائے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اے مومن! تیرا مال پانی کی طرح ہے اور تو کشتی کی مانند ہے، اگر یہ مال تیرے نیچے رہا تو تیرے تیرنے کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہاں سے نکل کر تیرے دل میں آ گیا تو پھر یہ تیرے ڈوبنے کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ اگر مال جیب میں ہو تو وہ بہترین خادم ہے اور اگر دل میں ہو تو بدترین آقا ہے۔ ملفوظات والد صاحب نور اللہ مرقدہ۔

میاں بیوی کو شیطان جلدی لڑا دیتا ہے

شیطان خوشگوار ازدواجی زندگی کو قطعاً ناپسند کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میاں بیوی میں رنجش پیدا ہو اور ازدواجی تعلقات میں خرابی پیدا ہو۔ وہ خاص طور پر خاوندوں کے دماغ میں فتور ڈالتا ہے۔ لہٰذا خاوند باہر دوستوں کے اندر گلاب کا پھول بنا رہتا ہے اور گھر کے اندر کریلا نیم چڑھا بن جاتا ہے۔ نوجوان آ کر کہتے ہیں، حضرت! پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ گھر میں آتے ہی دماغ گرم ہو جاتا ہے۔ وہ اصل میں شیطان گرم کر رہا ہوتا ہے۔ وہ میاں بیوی کے درمیان الجھنیں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

شیطان پہلے میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کروا کر خاوند کے منہ سے طلاق کے الفاظ کہلواتا ہے۔ جب اس کی عقل ٹھکانے آتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نے تو غصے میں طلاق کے الفاظ کہہ دیئے تھے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی کو بتائے میاں بیوی کے طور پر آپس میں رہنا شروع

کر دیں گے۔ وہ جتنا عرصہ اسی حال میں ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے تب تک انہیں زنا کا گناہ ملتا رہے گا۔ اب دیکھیں کہ کتنا بڑا گناہ کروا دیا، یہ ایسے کلیدی گناہ کرواتا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قربِ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دیں گے اور پھر بغیر نکاح اور رجوع کے ان کے ساتھ اسی طرح اپنی زندگی گزاریں گے۔

شیطان کی شرارت:

ایک مرتبہ ایک آدمی نے شیطان کو دیکھا۔ اس نے کہا مردود! تو بڑا ہی بدمعاش ہے، تو نے کیا فساد مچایا ہوا ہے، اگر تو آرام سے ایک جگہ بیٹھ جاتا تو دنیا میں امن ہو جاتا۔ وہ مردود جواب میں کہنے لگا، میں تو کچھ نہیں کرتا، صرف انگلی لگاتا ہوں۔ اس نے پوچھا، کیا مطلب؟ شیطان کہنے لگا، ابھی دیکھنا۔ قریب ہی ایک حلوائی کی دکان تھی۔ وہاں کسی برتن میں شیرہ پڑا ہوا تھا۔ شیطان نے انگلی شیرہ میں ڈبوئی اور دیوار پر لگا دی۔ مکھی آ کر شیرے پر بیٹھ گئی۔ اس مکھی کو کھانے کے لیے ایک چھپکلی آ گئی۔ ساتھ ہی ایک آدمی کام کر رہا تھا۔ اس نے چھپکلی کو دیکھا تو اس نے جوتا اٹھا کر چھپکلی کو مارا۔ وہ جوتا دیوار سے ٹکرا کر حلوائی کی مٹھائی پر گرا۔ جیسے ہی جوتا مٹھائی پر گرا تو حلوائی اٹھ کھڑا ہوا اور غصہ میں آ کر کہنے لگا، اوئے! تو نے میری مٹھائی میں جوتا کیوں مارا؟ اب وہ الجھنے لگ گئے۔ ادھر سے اس کے دوست آ گئے اور ادھر سے اس کے دوست پہنچ گئے۔ بالآخر ایسا جھگڑا مچا کہ خدا کی پناہ۔ اب شیطان اس آدمی سے کہنے لگا، دیکھ! میں نہیں کہتا تھا کہ میں تو صرف انگلی لگاتا ہوں۔ جب اس کی ایک انگلی کا یہ فساد ہے تو پورے شیطان میں کتنی نحوست ہو گی۔ ملفوظات حضرت مولانا تھانویؒ

حسد اور حرص دو خطرناک روحانی بیماریاں ہیں

جب حضرت نوح علیہ السلام اپنے امتیوں کو لے کر کشتی میں بیٹھے تو انہیں کشتی میں ایک بوڑھا نظر آیا۔ اسے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا کشتی میں بٹھایا مگر وہ اکیلا تھا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے پوچھا بتاؤ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا، جی میں شیطان ہوں۔ آپ نے سن کر فرمایا، تو اتنا چالاک بدمعاش ہے کہ کشتی میں آ گیا، کہنے لگا جی مجھ سے غلطی ہوگئی اب آپ مجھے معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا، تمہیں ہم ایسے ہی نہیں چھوڑیں گے، تو ہمیں اپنا گر بتا تا جا جس سے تو لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ کہنے لگا جی میں سچ سچ بتاؤں گا البتہ آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ وہ کہنے لگا میں دو باتوں سے انسان کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں۔

(۱) حسد (۲) حرص

پھر وہ کہنے لگا کہ حسد ایک ایسی چیز ہے کہ میں خود اس کی وجہ سے برباد ہوا اور حرص وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتار دیا گیا۔ اس لیے میں انہی دو چیزوں کی وجہ سے انسان کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں۔

واقعی یہ دونوں ایسی خطرناک بیماریاں ہیں جو تمام بیماریوں کی بنیاد بنتی ہیں۔ آج کے سب لڑائی جھگڑے یا تو حسد کی وجہ سے ہیں یا حرص کی وجہ سے۔ حاسد انسان اندر ہی اندر آگ میں جلتا رہتا ہے۔ وہ کسی کو اچھی حالت میں دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوتی ہیں اور حاسد کے اندر مروڑ پیدا ہوتے ہیں کہ وہ اچھی حالت میں کیوں ہے۔

ملفوظات حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ۔ خصوصی مجلس میں

شیطان کی چالاکیاں:

ایک دفعہ شیطان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی انہوں نے پوچھا، تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا، میں شیطان ہوں۔ انہوں نے فرمایا، تو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بڑے ڈورے ڈالتا پھرتا ہے، تیرے تجربے میں کون سی بات آئی ہے؟ وہ کہنے لگا، آپ نے تو بڑی عجیب بات پوچھی ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کو اپنی ساری زندگی کا تجربہ بتادوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، پھر کیا ہے بتادے۔ وہ کہنے لگا، تین باتیں میرے تجربات کا نچوڑ ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ صدقہ کرنے کی نیت کرلیں تو فوراً دے دینا کیوں کہ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ نیت کرنے کے بعد بندے کو بھلادوں۔ جب میں کسی کو بھلا دیتا ہوں تو پھر اسے یاد ہی نہیں ہوتا کہ میں نے نیت کی تھی یا نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کریں تو اسے فوراً پورا کردینا کیوں کہ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں اس وعدے کو توڑ دوں۔

مثلاً کوئی وعدہ کرے کہ اے اللہ! میں یہ گناہ نہیں کروں گا تو میں خاص محنت کرتا ہوں کہ وہ اس گناہ میں ضرور مبتلا ہو۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا کیوں کہ میں مرد کی کشش عورت کے دل میں پیدا کردیتا ہوں اور عورت کی کشش مرد کے دل میں پیدا کردیتا ہوں۔ میں یہ کام اپنے چیلوں سے نہیں لیتا بلکہ میں بذاتِ خود یہ کام کرتا ہوں۔ تلبیس ابلیس

موت کے وقت مریض کے قریب جاکر مت کہو کہ مجھے پہچانتے ہو کہ نہیں

اگر مریض ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے تو اس کے ساتھ بار بار باتیں مت کرو اور اس کا

آخری کلام کلمہ ہی رہنے دیں۔ ایسا نہ ہو کہ بہن آ کر کہے، مجھے پہچان رہے ہو میں کون ہوں؟ اس وقت اس سے اپنی پہچان مت کروائیں اور خاموش رہیں تا کہ اس کا پڑھا ہوا کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے۔ یہ چیزیں صاحب دل لوگوں کے پاس بیٹھ کر سمجھ میں آتی ہیں ورنہ اکثر رشتہ دار اس پر ظلم کرتے ہیں اور اسے اس وقت کلمہ سے محروم کر دیتے ہیں۔ اللہ کرے کہ موت کے وقت کوئی صاحب دل پاس ہو جو بندے کو اس وقت کلمہ پڑھنے کی تلقین کر دے۔ آمین

شیطان دو سمتیں بھول گیا اس لیے ہم بچ گئے

جب شیطان نے کہا کہ اے اللہ! میں اولادِ آدم پر دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے چاروں طرف سے حملے کروں گا۔ تو فرشتے یہ سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میرے فرشتو! اتنے متعجب کیوں ہو رہے ہو؟'' فرشتوں نے کہا، اے اللہ! اب تو ابن آدم کے لیے مشکل بن گئی ہے، وہ تو اس مردود کے ہتھکنڈوں سے نہیں بچ سکیں گے۔ پروردگار عالم نے فرمایا ''تم اتنے متعجب نہ ہو، اس نے چار سمتوں کا نام تو لیا ہے مگر اوپر اور نیچے والی دو سمتوں کو بھول گیا ہے اس لیے میرا گنہگار بندہ جب کبھی نادم اور شرمندہ ہو کر میرے در پہ آجائے گا اور اپنے ہاتھ مانگنے کے لیے اُٹھائے گا تو چونکہ اس کے ہاتھ اوپر کی سمت کو اُٹھیں گے اور شیطان اوپر کی سمت سے اثر انداز نہیں ہو سکے گا اس لیے ابھی میرے بندے کے ہاتھ نیچے نہیں جائیں گے کہ میں اس سے پہلے اس کے گناہوں کو معاف فرما دوں گا۔ اور اگر کبھی میرا بندہ نادم و شرمندہ ہو کر میرے دَر پہ آ کر اپنے سر کو جھکا دیگا تو چونکہ سر نیچے کی سمت کو جھکائے گا اور شیطان نیچے کی سمت سے اثر انداز نہیں ہو سکے گا اس لیے میرا بندہ ابھی سجدہ سے سر نہیں اُٹھائے گا کہ اس سے پہلے میں اس کے گناہ معاف فرما دوں گا۔

میرے دوستو! اوپر اور نیچے کی سمتیں محفوظ ہیں اس لیے پروردگار عالم سے اپنے گناہوں

کی معافی مانگ لیجیے۔ تنہائیوں میں ہاتھ اُٹھا کر معافی مانگئے، سجدہ میں سر ڈال کر معافی مانگئے۔ پروردگار عالم کی رحمتوں کا مہینہ ہے، بلکہ مغفرت کا عشرہ ہے اور آپ حضرات یہاں اللہ کے دَر کی چوکھٹ کو پکڑ کر بیٹھے ہیں، کیا بعید ہے کہ ہم میں کسی کی ندامت اللہ کو پسند آئے اور اس کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب کی توبہ کو قبول فرمالے۔

ربِ کریم! ہمیں آنے والی زندگی میں شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ فرمالے اور موت کے وقت ایمان کی حفاظت عطا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

ڈاکٹر موت کے وقت نشے کا انجکشن نہ دے

جب آپ دیکھیں کہ کسی کی موت کا وقت قریب ہے تو اسے ڈاکٹروں سے بچائیں۔ اللہ ان ڈاکٹروں کو ہدایت دے کہ وہ موت کی علامات ظاہر ہونے کے بعد بھی اسے نشے کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں۔ نشے کا ٹیکہ لگنے کی وجہ سے اس بیچارے کو کلمہ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ملتی اور وہ اسی طرح دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس لیے جب پتہ چل جائے کہ اب موت کا وقت قریب ہے تو ڈاکٹر کو ڈانٹ کر کہیں کہ خبردار اسے نشے کا انجکشن مت لگانا، کیوں کہ ہم مسلمان ہیں اور مومن مرنے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے۔ اس سے کہہ دیں کہ جناب! آپ اپنی طرف سے اس کا علاج کر چکے ہیں، اب چونکہ موت کی علامت ظاہر ہو رہی ہیں اس لیے اسے اللہ کے حضور میں پہنچنے کے لیے تیاری کرنے دیں اور اسے ہوش میں رہنے دیں تاکہ آخری وقت میں کلمہ پڑھ کر دنیا سے رخصت ہو۔

بیت اللہ جائیے اور یہ اشعار پڑھیے

شکر ہے تیرا خدایا، میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا

اپنا دیوانہ بنایا ،میں تو اس قابل نہ تھا
گرد کعبے کے پھروایا، میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تونے کردیا
جام زم زم کا پلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک میرے سینے میں تونے ساقیا
اپنے سینے سے لگا لیا، میں تو اس قابل نہ تھا
بھا گیا میری زبان کو ذکر الا اللہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا، میں تو اس قابل نہ تھا
خاص اپنے در کا رکھا تو نے اے مولا مجھے
یوں نہیں در در پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پر نہیں تونے بھلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
تو ہی مجھ کو در پہ لایا، میں تو اس قابل نہ تھا
عہد جو روزِ ازل میں کیا تھا یاد ہے
عہد وہ کس نے نبھایا، میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبد خضرا کا سایہ، میں تو اس قابل نہ تھا
میں نے جو دیکھا سو دیکھا بارگاہِ قدس میں
اور جو پایا سو پایا، میں تو اس قابل نہ تھا

بارگاہ سید الکونین ﷺ میں آکر یونس
سوچتا ہوں کیسے آیا، میں تو اس قابل نہ تھا

آٹھ گھنٹہ کی ڈیوٹی آسان ہے آٹھ منٹ کی تہجد مشکل ہے

کتنی عجیب بات ہے کہ وہ دکان اور دفتر جس سے انسان کو سبب کے طور پر رزق ملتا ہے۔ وہاں وہ روزانہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دیتا ہے۔ اے انسان جس سبب سے تجھ کو رزق ملتا ہے اس سبب پہ محنت کرنے میں روزانہ آٹھ گھنٹے لگاتا ہے اور مسبب الاسباب جہاں سے بغیر سبب کے رزق ملتا ہے اس کے سامنے دامن پھیلانے کی تجھے آٹھ منٹ کی بھی فرصت نہیں ہے۔ کیا کبھی کسی نے آٹھ منٹ تہجد کے وقت اللہ کے سامنے دامن پھیلایا؟ وہاں تو سبب کے بغیر ڈائریکٹ مل رہا ہوتا ہے۔ ارے! واسطے کے ذریعے لینے پر آٹھ گھنٹے اور جہاں سے بلاواسطہ ملتا ہے وہاں آٹھ منٹ بھی نہیں دیئے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم تنہائی میں اللہ رب العزت کے سامنے بیٹھیں اور اپنے سب احوال اسی کے سامنے بیان کریں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بندہ ہر چیز اسی سے مانگے اور ہر وقت اسی سے مانگے اور نعمتیں ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

آپ کے دل میں آگیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکتا گویا آپ نے شکر ادا کرلیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ رب العزت سے عرض کیا کہ اے اللہ کَیْفَ اَشْکُرُكَ میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں؟ کیوں کہ آپ کی ایک ایک نعمت ایسی ہے کہ میں ساری زندگی بھی عبادت میں لگا رہوں تو میں صرف ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا، اور آپ کی تو بے انتہا نعمتیں ہیں۔ میں ان سب نعمتوں کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہوں؟ جب انہوں

نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان پر وحی نازل فرمائی اور فرمایا کہ ''اے موسیٰ! اگر آپ کے دل میں یہ بات ہے کہ آپ ساری زندگی شکر ادا کریں تو پھر بھی شکر ادا نہیں کر سکتے تو سن لیں کہ اَلْاٰن شَکَرْتَنِیْ اب تو آپ نے میرا شکر ادا کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔'' سبحان اللہ

اللہ نے آپ کو بہت مال دیا ہے اس میں دوسروں کا بھی حق ہے

میرے دوستو! بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے انسان کو رزق کی فراوانی اس لیے بھی زیادہ دی ہوتی ہے کہ وہ رزق اس کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ وہ طلبار، غربار اور اللہ کے دوسرے مستحق بندوں کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے دیا ہوتا ہے تا کہ وہ ان تک یہ پہنچا دے۔ مگر جب وہ اللہ کے راستے پر خرچ نہیں کرتا اور ڈاک نہیں پہنچاتا تو اللہ تعالیٰ اس ڈاکیے کو معزول کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ کسی اور کو ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

اس لیے جب اللہ تعالیٰ ضرورت سے زیادہ رزق دے تو سمجھیں کہ اس میں صرف میرا ہی حق نہیں بلکہ وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج: ۲۴-۲۵) کے مصداق اس میں اللہ کے بندوں کا بھی حق ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ہے۔ رب کریم ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر دانی کی توفیق عطا فرما دیں اور ہمیں محرومیوں سے محفوظ فرما دیں۔ کفار کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے سے محفوظ فرما لیں اور جس طرح پروردگار نے ہمارے سر کو غیر کے سامنے جھکنے سے بچا لیا وہ پروردگار ہمارے ہاتھوں کو بھی غیر کے سامنے پھیلنے سے محفوظ فرما لے۔ (آمین ثم آمین)

بندوں سے اللہ کی ایک شکایت

عطاؒ ابن ابی رباح اللہ کے ایک بزرگ صالح بندے گزرے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ اے عطا! ان لوگوں سے

کہہ دو کہ اگر ان کو رزق کی تھوڑی سی تنگی پہنچے تو یہ فوراً محفل میں بیٹھ کر میرے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں جب کہ ان کے نامۂ اعمال گناہوں سے بھرے ہوئے میرے پاس آتے ہیں مگر میں فرشتوں کی محفل میں ان کی شکایتیں بیان نہیں کرتا۔

رابعہ بصریہؒ کی نصیحت عجیب انداز میں

رابعہ بصریہؒ ایک مرتبہ کہیں کھڑی تھیں۔ ان کے قریب سے ایک نوجوان گزرا۔ اس نے اپنے سر میں پٹی باندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے پوچھا بیٹا کیا ہوا؟ اس نے کہا، اماں! میرے سر میں درد ہے جس کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی ہے، پہلے تو کبھی درد نہیں ہوا۔ انہوں نے پوچھا، بیٹا آپ کی عمر کتنی ہے؟ وہ کہنے لگا، جی میری عمر تیس سال ہے۔ یہ سن کر وہ فرمانے لگیں بیٹا! تیرے سر میں تیس سال تک درد نہیں ہوا تو نے شکر کی پٹی تو کبھی نہ باندھی، تجھے پہلی دفعہ درد ہوا ہے تو تُو نے شکوے کی شکایت کی پٹی فوراً باندھ لی ہے۔ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ ہم سالہا سال اس کی نعمتیں اور سکون کی زندگی گزارتے ہیں، ہم اس کا تو شکر ادا نہیں کرتے اور جب ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

نعمتوں کی بقا کا آسان نسخہ

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں ضرور بالضرور اور زیادہ عطا کریں گے۔ گویا شکر ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نعمتیں باقی رہتی بھی ہیں اور بڑھتی بھی چلی جاتی ہیں۔

ٹوٹے رشتے وہ جوڑ دیتا ہے
بات رب پہ جو چھوڑ دیتا ہے

اس کے لطف و کرم کا کیا کہنا
لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مانگنے والوں کو اپنے مانگنے میں کمی کا شکوہ رہا جب کہ دینے والے کے خزانے بہت زیادہ ہیں اور مانگنے والوں کے دامن چھوٹے ہیں جو جلدی بھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجیے

ایک مرتبہ سلیمان بن حربؒ تشریف فرما تھے۔ وقت کا بادشاہ ہارون الرشید اس وقت ان کے دربار میں موجود تھا۔ ہارون الرشید کو پیاس لگی۔ اس نے اپنے خادم سے کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ خادم ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی لے کر آیا۔ جب بادشاہ نے گلاس ہاتھ میں پکڑ لیا تو سلیمان بن حربؒ نے ان سے کہا کہ بادشاہ سلامت! ذرا رک جایئے۔ وہ رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک بات بتایئے کہ جیسے آپ کو ابھی پیاس لگی ہے ایسے ہی آپ کو پیاس لگے اور پوری دنیا میں اس پانی کے سوا کہیں اور پانی نہ ہو تو آپ یہ بتائیں کہ آپ اس پیالے کو کتنی قیمت میں خریدنے پر تیار ہو جائیں گے؟ ہارون الرشید نے کہا، میں تو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ پھر سلیمان بن حربؒ نے فرمایا کہ اگر آپ یہ پانی پی لیں اور یہ آپ کے پیٹ میں چلا جائے، لیکن اندر جا کر آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور پھر وہ نکل نہ پائے اور پوری دنیا میں صرف ایک ڈاکٹر یا حکیم ہو جو اسے نکال سکتا ہو تو بتایئے کہ اس کو نکلانے کی فیس کتنی دیں گے؟ سوچ کر ہارون الرشید نے کہا، بقیہ آدھی سلطنت بھی اس کو دے دوں گا۔ وہ کہنے لگے، بادشاہ سلامت! ذرا غور کرنا کہ آپ کی پوری سلطنت پانی کا ایک پیالہ پینے اور پیشاب بن کر نکلنے کے برابر ہے۔

اگر ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں پر غور کریں تو پھر دل سے یہ آواز نکلے گی کہ ہمیں اپنے رب کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔ ہم پر تو اس کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ہم تو واقعی ان کا شکر ادا

ہی نہیں کر سکتے۔

مادی اعتبار سے اللہ رب العزت کی جتنی نعمتیں آج ہیں اتنی اس سے پہلے نہیں تھیں۔ آج کا عام بندہ بھی پہلے وقت کے بادشاہوں سے کئی معاملات میں بہتر زندگی گزار رہا ہے۔ پہلے وقت کے بادشاہوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلتے تھے جب کہ آج کے غریب آدمی کے گھر میں بھی بجلی کا قمقمہ جلتا ہے۔ ایسی روشنی پہلے وقت کے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں تھی۔ بادشاہوں کے خادم ان کو ہاتھ سے پنکھا کیا کرتے تھے جب کہ آج کے غریب آدمی کے گھر میں بھی بجلی کا پنکھا موجود ہے۔ جو ٹھنڈا پانی آج ایک آدمی کو حاصل ہے وہ پہلے وقت کے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اس پر قیاس کرتے جائیے کہ پہلے وقت کے بادشاہ اگر سفر کرتے تھے تو ان کو گھوڑوں پر سفر کرنا پڑتا تھا اور انہیں ایک ایک مہینہ سفر میں لگ جاتا تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی سے بمبئی چلیں تو یہ ایک مہینہ کا سفر بنے گا۔ لیکن آج کا ایک عام انسان اگر ریل گاڑی پر بیٹھ کر بمبئی جانا چاہے تو یہ ایک دن سوار ہوگا اور دوسرے دن سورج ڈوبنے سے پہلے ممبئی پہنچ چکا ہوگا۔ پہلے وقت کے بادشاہوں کو صرف موسم کے پھل ملتے تھے جب کہ آج ایک عام غریب آدمی کو بھی بے موسم کے پھل نصیب ہیں۔ پہلے علاقائی پھل ملا کرتے تھے جب کہ آج آدمی کو دوسرے ملکوں کے پھل بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ مزے سے کھا رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ نعمتیں عام کر دی۔

گویا مادی اعتبار سے نعمتوں کی جتنی بارش آج ہے اتنی پہلے کبھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جتنی ناشکری آج ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ جس کی زبان سے سنو، اس کی زبان پر ناشکری ہے ہر بندہ کہے گا کہ کاروبار اچھا نہیں، گھر میں مشکلات ہیں اور صحت خراب ہے۔ ہزاروں میں سے کوئی ایک بندہ ہوگا جس سے بات کریں تو وہ اللہ کا شکر کرے گا آخر وجہ کیا ہے؟ کھانے پینے کی بہتات کا یہ عالم ہے کہ آج کا فقیر اور بھکاری بھی

روٹی نہیں مانگتا بلکہ سگریٹ پینے کے لیے دو روپے مانگتا ہے۔ اس لیے کہ اسے نشہ کرنا ہے اور مزید بات یہ ہے کہ وہی بھکاری موبائیل فون اُٹھائے پھرتا ہوا ملے گا۔ ناگپاڑہ پر ایک فقیر کو ۲ روپئے دیئے اس نے جیب میں سے ۵ روپئے نکال کر مجھے دیئے کہ بچوں کو چائے پلا دینا، اب ۲ روپئے کا زمانہ نہیں ہے۔

ایک اہم نصیحت

کچھ چیزیں وزن میں اتنی ہلکی ہوتی ہیں وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے مثلاً کاغذ، لکڑی اور گھاس پھوس وغیرہ۔ لیکن کچھ چٹانیں ہوتی ہیں جو پانی کے ساتھ بہتی نہیں ہیں بلکہ وہ پانی کا رُخ موڑ دیتی ہیں۔ ہم مومن ہیں اس لیے ہم گھاس پھوس اور تنکے نہ بنیں بلکہ ہم چٹان بن جائیں اور بہتے ہوئے پانی کا رُخ پھیر دیں۔

درخت نے سری سقطی کو نصیحت کی

ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ جا رہے تھے، دو پہر کا وقت تھا۔ انہیں نیند آئی۔ وہ قیلولہ کی نیت سے ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد جب ان کی آنکھ کھلی تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔ انہوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اس درخت میں سے آواز آ رہی تھی جس کے نیچے وہ لیٹے ہوئے تھے۔ جی ہاں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ایسے واقعات رونما کر دیتے ہیں۔ درخت ان سے کہہ رہا تھا، يَا سِرِّيْ! كُنْ مِثْلِيْ، اے سری تو میرے جیسا ہو جا۔ وہ یہ آواز سن کر بڑے حیران ہوئے۔ جب پتہ چلا کہ یہ آواز درخت سے آ رہی ہے تو آپ نے اس درخت سے پوچھا، كَيْفَ اَكُوْنُ مِثْلَكَ کہ اے درخت میں تیرے جیسا کیسے بن سکتا ہوں؟ درخت نے جواب دیا، اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَنِيْ بِالْاَحْجَارِ فَاَرْمِيْهِمْ بِالْاَثْمَارِ اے سری! جو لوگ مجھ پر پتھر پھینکتے ہیں میں ان لوگوں کی طرف اپنے پھل لوٹاتا

ہوں۔ اس لیے تو بھی میرے جیسا بن جا۔ وہ اس کی بات سن کر اور بھی زیادہ حیران ہوئے۔ مگر اللہ والوں کو فراست ملی ہوتی ہے لہٰذا ان کے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا ہی اچھا ہے کہ جو اسے پتھر مارے، یہ اسے پھل دیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت نے درخت کی لکڑی کو آگ کی غذا کیوں بنایا؟ انہوں نے پوچھا کہ اے درخت! اگر تو اتنا ہی اچھا ہے تو فَكَيْفَ مَصِيْرُكَ اِلَى النَّارِ؟ یہ بتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنا دیا؟ اس پر درخت نے جواب دیا، اے سری! میرے اندر خوبی بھی بہت بڑی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک خامی بھی بہت بڑی ہے۔ اس خامی نے میری اتنی بڑی خوبی پر پانی پھیر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو میری خامی اتنی ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگ کی غذا بنا دیا ہے۔ میری خامی یہ ہے کہ فَاَمْلَيْتُ بِالْهَوَا هٰكَذَا هٰكَذَا جدھر کی ہوا چلتی ہے میں اِدھر کو ہی ڈول جاتا ہوں، یعنی میرے اندر استقامت نہیں ہے۔

تکبر کی سزا دنیا میں جلدی ملتی ہے اللہ حفاظت فرمائے

ایک بڑا زمیندار آدمی تھا۔ انگریزوں کی حکومت نے اسے اتنی زمینیں دیں کہ ریل گاڑی چلتی تو اگلا اسٹیشن اس کی زمین سے آتا تھا، پھر ریل گاڑی چلتی تو دوسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین ہی میں آتا تھا، پھر ریل گاڑی چلتی تو تیسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین سے آتا تھا۔ گویا ریل گاڑی کے تین اسٹیشن اس کی زمینوں میں آتے تھے۔ وہ اربوں پتی آدمی تھا۔ اس کا عالیشان گھر تھا۔ خوبصورت بیوی تھی اور ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی زندگی ٹھاٹ کی گزر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے ایک چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا۔ اسی دوران اس کے دوستوں نے کہا کہ آج کل کاروبار اچھا نہیں ہے، کچھ پریشانی ہے اور ہم مصروف رہتے ہیں یہ سن کر اس کے اندر ''میں'' آئی اور وہ کہنے لگا، یار! تم بھی کیا ہو، ہر وقت پریشان پھرتے ہو کہ آئے گا کہاں سے؟ لیکن میں تو پریشان پھرتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں

پہ۔ میری تو اکیس نسلوں کو بھی کمانے کی پروا نہیں ہے۔ جب اس نے تکبّر کی یہ بات کی تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چھ مہینوں کے اندر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

زمانۂ جاہلیت میں عورت کا کیا مقام تھا

ازدواجی زندگی کے عنوان پر بات کرتے ہوئے اس پس منظر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہوگا کہ اسلام سے پہلے دنیا کی مختلف تہذیبوں اور مختلف معاشروں میں عورت کو کیا مقام حاصل تھا؟ تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کے مختلف ممالک میں عورت اپنے بنیادی حقوق سے بالکل محروم تھی۔

۱۔ فرانس میں عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ یہ آدھا انسان ہے اس لیے معاشرے کی تمام خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

۲۔ چین میں عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ اس میں شیطانی روح ہوتی ہے لہٰذا یہ برائیوں کی طرف انسان کو دعوت دیتی ہے۔

۳۔ جاپان میں عورت کے بارے میں یہ تصور تھا کہ یہ ناپاک پیدا کی گئی ہے، اس لیے عبادت گاہوں سے اس کو دور رکھا جاتا تھا۔

۴۔ ہندوازم میں جس عورت کا خاوند مر جاتا تھا اس کو معاشرے میں زندہ رہنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے خاوند کی نعش کے ساتھ زندہ جل کر اپنے آپ کو ختم کر لے، اگر وہ اس طرح نہ کرتی تو اس کو معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

۵۔ عیسائی دنیا میں عورت کو معرفتِ الٰہی کے راستے میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو تعلیم دی جاتی تھی کہ کنواری رہ کر زندگی گزاریں۔ جبکہ مرد راہب بن کر رہنا اعزاز سمجھتے تھے۔

۶۔ جزیرۂ عرب میں بیٹی کا پیدا ہونا عار سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا ماں باپ خود اپنے ہاتھوں سے بیٹی کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ عورت کے حقوق اس قدر پامال کیے جا چکے تھے کہ اگر

۷۔ کوئی آدمی مر جاتا تو جس طرح وراثت کی چیزیں اس کی اولاد میں تقسیم ہوتی تھیں اسی طرح بیوی بھی اس کی اولاد کے نکاح میں آ جاتی تھی۔

۸۔ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو مکہ مکرمہ سے باہر ایک کالی کوٹھری میں اس عورت کو دو سال کے لیے رکھا جاتا تھا طہارت کے لیے پانی اور دوسری ضروریاتِ زندگی بھی پوری نہ دی جاتی تھیں۔ اگر دو سال یہ جتن کاٹ کر بھی عورت زندہ رہتی تو اس کا منہ کالا کر کے مکہ مکرمہ میں پھرایا جاتا۔ اس کے بعد اسے گھر میں رہنے کی اجازت دی جاتی تھی۔

اب سوچیئے تو سہی کہ خاوند تو مرا اپنی قضا سے، بھلا اس میں بیوی کا کیا قصور؟ مگر یہ مظلومہ اتنی بے بس تھی کہ اپنے حق میں کوئی آواز ہی نہیں اُٹھا سکتی تھی۔ ایسے ماحول میں جبکہ چاروں طرف عورت کے حقوق کو پامال کیا جا رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو اسلام کی نعمت دے کر بھیجا۔ آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے آ کر عورت کے مقام کو نکھارا۔ بتلایا کہ اے لوگو! اگر یہ بیٹی ہے تو تمہاری عزت ہے، اگر بہن ہے تو تمہارا ناموس ہے اگر بیوی ہے تو زندگی کی ساتھی ہے، اگر ماں ہے تو اس کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔

اچھی عورت کی کیا صفات ہونی چاہئیں؟

اہل اللہ نے لکھا ہے کہ بیوی میں چار صفات ضرور ہونی چاہئیں:

۱۔ پہلی صفت اس کے چہرے پر حیا ہو یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ جس عورت کے چہرے پر حیا ہوگی اس کا دل بھی حیا سے لبریز ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ چہرہ

انسان کے دل کا آئینہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مردوں میں بھی حیا بہتر ہے مگر عورت میں بہترین ہے۔

۲۔ دوسری صفت اس کی زبان میں شیرینی ہو یعنی جو بولے تو کانوں میں رس گھولے۔ یہ نہ ہو کہ ہر وقت خاوند کو جلی کٹی سناتی رہے یا بچوں کو بات بات پر جھڑکتی رہے۔

۳۔ تیسری صفت یہ کہ اس کے دل میں نیکی ہو۔

۴۔ چوتھی صفت یہ کہ اس کے ہاتھ کام کاج میں مصروف رہیں۔

یہ خوبیاں جس عورت میں ہوں یقیناً وہ بہترین بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار سکتی ہے۔

بے دین عورت کی زبان وہ تلوار ہے جو کبھی زنگ آلود نہیں ہوتی

بدزبان بیوی اپنے شوہر کو قبر تک پہنچانے کے لئے گھوڑے کی ڈاک کا کام کرتی ہے، جس کی بیوی بدزبان ہو اس کو ساری زندگی سکون نہیں مل سکتا۔ عورت کو کہا گیا ہے کہ وہ اپنی زبان کے اندر نرمی اور مٹھاس پیدا کرے اور اچھے انداز سے بات کرے۔ ویسے یہ پکی بات ہے کہ میٹھی سے میٹھی عورت کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے اندر تھوڑی بہت تلخی ضرور ہوتی ہے کیوں کہ تعلق ہی ایسا ناز و انداز کا ہوتا ہے۔ تاہم عورت کی زبان میں نرمی ہونی چاہئے۔ شریعت نے کہا اپنے خاوند سے نرم انداز میں بات کرے، جہاں کسی غیر مرد سے بات کرنے کا وقت ہو تو سختی سے بات کرے تاکہ اسے دوسری بات پوچھنے کی جرأت نہ ہو۔ آج کل کی فیشن ایبل عورتوں کا معاملہ برعکس ہے۔ خاوند سے بات کرنی ہو تو ساری دنیا کی کڑواہٹ سمٹ آتی ہے اور کسی غیر سے بات کرنی ہو تو ساری دنیا کی شیرینی سمٹ آتی ہے۔ بہر حال یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جن رشتوں کو تلوار نہیں کاٹ سکتی اس کو زبان کاٹ کے رکھ دیتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ عورت کی زبان وہ تلوار ہے جو کبھی زنگ آلود نہیں ہوتی۔ بعض عورتیں تو اتنی

بدزبان ہوتی ہیں کہ اگر عورتیں نہ ہوتیں تو ناقابل برداشت ہوتیں۔ کئی عورتیں تو بدزبانی اور بدگمانی ہی کی وجہ سے گھر برباد کرلیتی ہیں۔ شرع شریف نے حکم دیا کہ محرم مرد سے بات کرو تو نرمی سے، غیرمحرم سے بات کرنی پڑ جائے تو سختی سے کرو، دانایانِ فرنگ میں سے کسی کا قول ہے کہ اگر عورت سارے دن میں ایک مرتبہ اپنے خاوند سے نرمی سے بات کرے جس نرمی سے وہ پڑوسی مرد سے بات کرتی ہے تو گھر آباد رہے۔ اس طرح اگر مرد پورے دن میں ایک مرتبہ بیوی کو اس محبت کی نگاہ سے دیکھے جس نظر سے وہ پڑوسی عورت کو دیکھتا ہے تو بھی گھر آباد رہے۔ نوٹ: غیرمحرم عورت کو دیکھنا یا غیرمحرم مرد کو دیکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

سلف صالحین کا معمول اپنی کنواری بیٹیوں کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ایک پوری سورت جسے ''سورۃ النساء'' کہتے ہیں اس میں مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی کے احکام بتلائے ہیں۔ سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو نکاح سے پہلے سورۃ النساء اور سورۃ النور ترجمہ کے ساتھ پڑھا دیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ جن کے ہاں بیٹی ہو وہ اس کو اگر پورا قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ نہیں پڑھا سکتے تو کم از کم سورۃ النساء اور سورۃ النور کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا دیا کریں تاکہ لڑکی اچھی ازدواجی زندگی گزار سکے۔ بعض سلف صالحین کا تو عجیب معمول تھا کہ جب بچی پڑھ لکھ جاتی اور ابھی شادی کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا (اس وقت پرنٹنگ پریس نہیں ہوتے تھے) تو یہ بیٹی کے ذمہ لگا دیتے کہ بیٹی اپنے لیے ایک قرآن پاک لکھ لو، تو یہ بچی روزانہ باوضو ہو کر خوش نویسی سے قرآن پاک لکھتی تھی اور جب قرآن پاک مکمل ہو جاتا تو سنہری جلد باندھ کر باپ اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا کرتا تھا۔ یہ پہلے وقتوں کا جہیز ہوا کرتا تھا گویا اس کے خاوند کو پیغام مل رہا ہوتا تھا کہ میری بیوی نے گھر میں جو زندگی گزاری ہے اس کا فارغ وقت اس قرآن پاک کو لکھنے میں گزرا ہے۔

مکان تو ہاتھوں سے بن جایا کرتے ہیں مگر گھر ہمیشہ دلوں سے بنا کرتے ہیں

کہنے والے نے کہا ہے کہ مکان تو ہاتھوں سے بن جایا کرتے ہیں مگر گھر ہمیشہ دلوں سے بنا کرتے ہیں۔ اینٹیں جڑتی ہیں مکان بن جاتے ہیں مگر جب دل جڑتے ہیں تو گھر آباد ہو جایا کرتے ہیں۔ میرے دوستو! ہم ان باتوں کو توجہ کے ساتھ سنیں اور اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ ہم دیارِ غیر میں بیٹھے ہیں ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہونے والے جھگڑے جب مقامی انتظامیہ کو پہنچتے ہیں تو وہ اسلام پر ہنستے ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر اُنگلیاں اُٹھاتے ہیں، کتنی بدبختی ہے۔ اگر ہم نے اپنی کم ظرفی کی وجہ سے کسی کو اسلام پر انگلی اُٹھانے کا موقع دیا، چھوٹی چھوٹی باتیں اپنے گھر میں سمیٹ لیا کریں۔ ایسا جھگڑانہ بنائیں جو کمیونٹی میں ٹاک آف دی ٹاؤن بنا کرے، ہم اپنی ذات کے خول سے باہر نکلیں۔ ہم مسلمانوں کی بدنامی کے بجائے مسلمانوں کی نیک نامی کا ذریعہ بنیں۔ آج ایسی سوچ رکھنے والے اتنے تھوڑے ہیں چراغ رُخ زیبا لے کر ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔

ایک ہجوم اولادِ آدم کا جدھر بھی دیکھئے
ڈھونڈئیے تو ہر طرف اللہ کے بندوں کا کال

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب میاں بیوی قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اگر اسی حالت میں خاوند فوت ہو جائے تو یہی بیوی ساری زندگی خاوند کو یاد کر کے روتی رہے گی کہ جی اتنا اچھا تھا، میرے لیے تو بہت ہی اچھا تھا۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تو یہی خاوند ساری زندگی یاد کر کے روتا رہے گا کہ بیوی اتنی اچھی تھی، میرا کتنا خیال رکھتی تھی۔ ہم بندے کی قدر اس کے قریب رہتے ہوئے کر لیا کریں۔ کئی مرتبہ یہ دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی جھگڑے میں ایک دوسرے کو طلاق دے دیتے ہیں، جب ہوش آتا ہے تو

خاوند اپنی جگہ پاگل بنا پھرتا ہے اور بیوی اپنی جگہ پاگل بنی پھرتی ہے۔ پھر ہمارے پاس آتے ہیں کہ مولوی صاحب کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی کہ ہم پھر سے میاں بیوی بن کر رہ سکیں۔ ایسی صورت حال ہرگز نہیں آنے دینی چاہیے۔ عفو و درگزر اور افہام و تفہیم سے کام لینا چاہیے بلکہ ایک روٹھے تو دوسرے کو منا لینا چاہیے۔ کسی شاعر نے کیا اچھی بات کہی ہے ؎

اتنے اچھے موسم میں
روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں
کل پہ ہم اُٹھا رکھیں
آج دوستی کر لیں

اسی مضمون کو ایک دوسرے شاعر نے نئے رنگ سے باندھا ہے ؎

زندگی یونہی بہت کم ہے محبت کے لیے
روٹھ کر وقت گنوانے کی ضرورت کیا ہے

ایک مردِ صالح کا عجیب قصہ — ہمیشہ باوضو رہئے روزی میں برکت ہوگی

حضرت فضل علی قریشیؒ کی زمین تھی۔ اس میں خود ہل چلاتے تھے۔ خود پانی دیتے تھے، خود کاٹتے، خود بیج نکالتے، پھر وہ گندم گھر آتی تھی۔ پھر رات کو عشاء کے بعد میاں بیوی اسے پیسا کرتے اور اس آٹے سے بنی ہوئی روٹی خانقاہ میں مریدوں کو کھلائی جاتی تھی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ حضرتؒ یہ سب کچھ خود کرتے تھے۔ حضرت کی عادت تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، گھر والوں کی بھی یہی عادت تھی۔ ایک دن حضرت نے کھانا پکوایا اور خانقاہ میں لے آئے۔ اللہ اللہ سیکھنے والے سالکین آئے ہوئے تھے وہ کھانا حضرت نے ان کے سامنے رکھا۔ جب وہ کھانے لگے، آپ نے اُنہیں کہا ''فقیرو (حضرت قریشی مریدوں کو فقیر کہتے

تھے) تمہارے سامنے جو روٹی پڑی ہے اس کے لیے ہل چلایا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر بیج ڈالا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر اس کو پانی دیا تو وضو کے ساتھ، پھر اس کو کاٹا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر گندم بھوسے سے الگ کیا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر گندم کو پیسا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر آٹا گوندھا گیا تو وضو کے ساتھ، پھر روٹی پکائی گئی تو وضو کے ساتھ، پھر آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا تو وضو کے ساتھ۔ کاش کہ تم وضو کے ساتھ اسے کھا لیتے۔'' حدیث شریف میں ہے ہمیشہ باوضو رہئے روزی میں برکت ہوگی۔ (لمبی حدیث ہے دیکھئے بکھرے موتی، جلد۳، صفحہ ۸۹)

نعمت کی موجودگی میں نعمت کی قدر کرنا سیکھئے

بخاری و مسلم شریف میں مندرجہ ذیل حدیث ہے کہ:

بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے۔ ان میں ایک آدمی برص کا مریض تھا اس کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا کہ بھائی! کیا آپ کو کوئی پریشانی ہے؟ اس نے کہا، میں کون سی پریشانی آپ کو بتاؤں؟ ایک تو میں برص کا مریض ہوں جس کی وجہ سے لوگ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور دوسرا رِزق کی بڑی تنگی ہے۔ اس آدمی نے کہا، اچھا اللہ تعالیٰ آپ کی بیماری بھی دور کر دے اور آپ کو رِزق میں برکت بھی عطا فرما دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری بھی دور کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک اونٹنی عطا فرمائی۔ اس اونٹنی کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں اونٹوں اور اونٹنیوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا جس کی وجہ سے وہ بڑا امیر آدمی بن گیا اور رہائش کے لئے محلات بنا لئے۔

دوسرا آدمی گنجا تھا، وہ آدمی اس گنجے کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی پریشانی ہے؟ اس نے کہا، جناب میرے سر پر تو بال ہی نہیں ہیں، جس کے پاس بیٹھوں وہی مذاق کرتا ہے، جو کاروبار کرتا ہوں ٹھیک نہیں چلتا۔ اس نے کہا اچھا، اللہ تعالیٰ تجھے سر پر خوبصورت بال بھی عطا فرمائے اور تجھے اللہ تعالیٰ رزق بھی دے دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

اسے ایک گائے عطا کی، اس گائے کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں گائیوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا۔ وہ بھی عالیشان محل میں بڑے ٹھاٹھ کی زندگی گزارنے لگ گیا۔

تیسرا آدمی اندھا تھا، وہ آدمی اس اندھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا، بھائی آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں؟ اس نے کہا، جی میں تو دَر بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوں، لوگوں کے گھروں سے جا کر مانگتا ہوں، ہاتھ پھیلاتا ہوں، میری بھی کوئی زندگی ہے، ٹکڑے مانگ مانگ کر کھاتا پھرتا ہوں، میں نہ اپنی ماں کو دیکھ سکتا ہوں اور نہ باپ کو اس کے علاوہ رزق کی تنگی بھی ہے۔ اس آدمی نے اس کی بینائی کے لئے اور رِزق کی فراخی کے لئے دُعا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بینائی بھی دے دی اور اس کو ایک بکری دی۔ اس بکری کا ریوڑ اتنا بڑھا کہ وہ ہزاروں بکریوں کا مالک بن گیا۔ اس طرح وہ بھی عالیشان محل میں عزت کی زندگی گزارنے لگ گیا۔ کئی سالوں کے بعد وہ تینوں اپنے وقت کے سیٹھ کہلانے لگے۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد وہی آدمی پہلے آدمی کے پاس آیا اور اس نے اس سے کہا، میں ایک محتاج ہوں، اللہ کے نام پر مانگنے کے لئے آیا ہوں، اسی اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا، آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، آج اتنا کچھ آپ کے پاس ہے، آپ اس میں سے اسی اللہ کے نام پر مجھے بھی کچھ دے دیں۔ جب اس نے سنا کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو اس کا پارہ چڑھ گیا اور کہنے لگا، ذلیل قسم کے لوگ مانگنے کے لیے آجاتے ہیں، خبردار! آئندہ ایسی بات نہ کرنا، میں امیر، میرا باپ امیر اور میرا پردادا امیر تھا۔ ہم تو جدّی پشتی امیر ہیں، تم کون ہو بات کرنے والے کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چلو جاؤ یہاں سے ورنہ میں جوتے لگواؤں گا۔ چنانچہ اس نے کہا، اچھا میاں! ناراض نہ ہونا، تم جیسے تھے اللہ تمہیں ویسا ہی کر دے۔ جب یہ کہہ کر چلا گیا تو اس کے جانوروں میں ایک بیماری پڑ گئی اور اس کے سب اونٹ وغیرہ مر گئے اور برص کی بیماری بھی دوبارہ لگ گئی، گویا وہ جس پوزیشن میں تھا اسی پوزیشن میں دوبارہ لوٹ آیا۔

اس کے بعد وہ شخص دوسرے آدمی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں محتاج ہوں، میں اسی اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہوں جس نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، آپ کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، آج اتنا کچھ ہے، جب اس نے یہ بات کی تو وہ بڑا غصے میں آ گیا اور کہنے لگا، تم تو مفت خورے ہو، ہم نے کما کر اتنا کچھ بنایا ہے، میں نے فلاں سودا کیا تو اتنی بچت ہوئی اور فلاں سودا کیا تو اتنے کمائے، لوگ مجھے بڑا بزنس مائنڈیڈ کہتے ہیں۔ میری تو یہ خون پسینے کی کمائی ہے ایسے ہی درختوں سے توڑ کر نہیں لائے اور نہ یہ چوری کا مال ہے۔ اب چلا جا یہاں سے ورنہ دو تھپڑ لگاؤں گا۔ جب اس امیر آدمی نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی تو اس نے کہا، بھائی! ناراض نہ ہونا، تم جیسے پہلے تھے اللہ تمہیں دوبارہ ویسا ہی کر دے۔ چنانچہ اس کے سر کے بال بھی غائب ہو گئے اور اللہ رب العزت نے اس کی گائیوں میں ایک ایسی بیماری پیدا کر دی جس سے سب گائیں مر گئیں، اس طرح وہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی بن گیا۔

اس کے بعد وہ شخص تیسرے آدمی کے پاس گیا اور اس سے کہا، بھائی میں اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہوں، محتاج ہوں، آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا، اب اسی اللہ کے نام پر مجھے بھی دے دو۔ جب اس نے یہ بات سنی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ کہنے لگا، بھائی! تم نے بالکل سچ کہا ہے، میں تو اندھا تھا، لوگوں کے لئے صرف رات کو اندھیرا ہوتا ہے اور میرے لیے تو دن میں بھی اندھیرا ہوا کرتا تھا، میں تو دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتا تھا، لوگوں سے مانگ مانگ کر زندگی گزارتا تھا، میری بھی کوئی حالت تھی؟ کوئی خدا کا بندہ آیا، اس نے مجھے دُعا ر دی، اللہ نے مجھے بینائی دے دی اور اتنا رِزق بھی دے دیا۔ آج آپ اس اللہ کے نام پر مانگنے کے لیے آئے ہیں تو میاں! ان دو پہاڑوں کے درمیان ہزاروں بکریاں پھر رہی ہیں، جتنی چاہو تم اللہ کے نام پر لے جاؤ۔ جب اس امیر آدمی نے یہ بات کی تو مخاطب کہنے لگا، مبارک ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بندوں کی طرف آزمائش بنا کر بھیجا تھا، دو تو اپنی بنیاد کو بھول گئے ہیں مگر تم

نے اپنی بنیاد کو یاد رکھا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں اور زیادہ برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی بنی اسرائیل کا سب سے بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ ثابت ہوا کہ بندہ اگر اپنی اوقات اور بنیاد کو یاد رکھے تو اللہ تعالیٰ برکت دے دیتے ہیں۔ الفاظ بندے کے ہیں، حدیث کا مضمون بخاری و مسلم میں ہے۔ (بخاری و مسلم)

کل بن دیکھے سودا تھا اس لئے سستا تھا۔ قصہ غور سے پڑھئے

ہارون الرشید کے زمانے میں بہلولؒ نامی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ وہ مجذوب اور صاحب حال تھے۔ ہارون رشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون بھی ایک نیک اور پارسا عورت تھی۔ اس نے اپنے محل میں ایک ہزار ایسی خادمائیں رکھی ہوئی تھیں جو قرآن کی حافظہ اور قاریہ تھیں۔ ان سب کی ڈیوٹیاں مختلف شفٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کے محل سے چوبیس گھنٹے ان بچیوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی ہوتی تھی۔ اس کا محل قرآن کا گلشن محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن ہارون الرشید اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا کہ ایک جگہ بہلول داناؒ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا، السلام علیکم۔ بہلول داناؒ نے جواب میں کہا، وعلیکم السلام۔ ہارون الرشید نے کہا، بہلول! کیا کر رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا، کس کے لیے بنا رہے ہو؟ بہلول نے جواب دیا کہ جو آدمی اس کو خریدے گا میں اس کے لیے دُعا کروں گا کہ اللہ رب العزت اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ بادشاہ نے پوچھا، بہلول اس گھر کی قیمت کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ایک دینار۔ ہارون الرشید نے سمجھا کہ یہ ایک دیوانے کی بڑ ہے لہٰذا وہ آگے چلا گیا۔

اس کے پیچھے زبیدہ خاتون آئیں۔ اُس نے بہلولؒ کو سلام کیا، پھر پوچھا بہلولؒ! کیا کر رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کس لیے گھر

بنا رہے ہو؟ بہلولؒ نے کہا کہ جو آدمی اس گھر کو خریدے گا میں اس کے لیے دُعا کروں گا کہ یا اللہ! اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ اس نے پوچھا، بہلول اس گھر کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا ایک دینار۔ زبیدہ خاتون نے ایک دینار نکال کر اس کو دے دیا اور کہا کہ میرے لیے دُعا کر دینا۔ وہ دُعا کروا کر چلی گئی۔

رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب میں جنت کے مناظر دیکھے، آبشاریں، مرغزاریں اور پھل پھول وغیرہ دیکھنے کے علاوہ بڑے اونچے اونچے خوبصورت محلات بھی دیکھے۔ ایک سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محل پر اس نے زبیدہ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ہارون الرشید نے سوچا کہ میں دیکھوں تو سہی کیوں کہ یہ میری بیوی کا گھر ہے۔ وہ محل میں داخل ہونے کے لیے جیسے ہی دروازے پر پہنچا تو ایک دربان نے اسے روک لیا۔ ہارون الرشید کہنے لگا، اس پر تو میری بیوی کا نام لکھا ہوا ہے، اس لیے مجھے اندر جانا ہے۔ اس نے کہا نہیں، یہاں کا دستور الگ ہے، جس کا نام ہوتا ہے اسی کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے، کسی اور کو اجازت نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب دربان نے ہارون الرشید کو پیچھے ہٹایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے بیدار ہونے پر فوراً خیال آیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہلول کی دُعا زبیدہ کے حق میں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوگئی۔ پھر اسے اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ میں بھی اپنے لیے ایک گھر خرید لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ ساری رات اسی افسوس میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس نے دل میں سوچا کہ آج پھر میں ضرور دریا کے کنارے جاؤں گا۔ اگر آج مجھے بہلول ملے تو میں بھی ایک مکان ضرور خریدوں گا۔

چنانچہ وہ شام کو پھر بیوی کو لے کر چل پڑا۔ وہ بہلول کو تلاش کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہلول بیٹھا اُسی طرح کا مکان بنا رہا تھا۔ اس نے کہا السلام علیکم! بہلول نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ ہارون الرشید نے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے کہا، میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کس لیے؟ بہلول نے کہا، جو آدمی یہ گھر خریدے گا

میں اس کے لیے دُعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کر دے۔ ہارون الرشید نے پوچھا، بہلول اس کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا، اس کی قیمت پوری دنیا کی بادشاہی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا، اتنی قیمت تو میں دے نہیں سکتا، کل تو ایک دینار کے بدلے دے رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو۔ بہلول نے کہا، بادشاہ سلامت! کل بن دیکھے معاملہ تھا اور آج دیکھا ہوا معاملہ ہے۔ کل بن دیکھے سودا تھا اس لیے ستا مل رہا تھا اور آج چونکہ دیکھ کے آئے ہو اس لیے اب اس کی قیمت زیادہ دینی پڑے گی۔

ہماری مثال ایسے ہی ہے کہ آج ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا تھا اس لیے جنت بڑی سستی ہے۔ لیکن جب موت کے وقت آخرت کی نشانیاں دیکھ لیں گے تو اس کے بعد پھر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ ۢ بِبَنِيْهِ ٥ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ٥ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُئْوِيْهِ ٥ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ٥ كَلَّا

(سورۃ المعارج، ۱۱ تا ۱۴)

روزِ محشر مجرم یہ تمنا کرے گا کہ کاش میں اپنی سزا کے بدلے میں اپنا بیٹا دے دیتا، بیوی دے دیتا، اپنا بھائی دے دیتا، وہ خاندان والے دے دیتا، جو اسے ٹھکانہ دیتے حتیٰ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب دے دیتا اور میں جہنم سے بچ جاتا۔ فرمایا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

غموں سے نجات کا قرآنی اور نبوی نسخہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (پارہ ۱۷، سورۂ انبیاء، آیت ۸۷)

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔

فضیلت:

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں کہ رسول اللہ

ﷺ نے ہمارے سامنے اوّل دُعا کا ذکر کیا ہی تھا کہ اچانک ایک اعرابی آ گیا اور آپ ﷺ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا، بہت وقت گزر گیا۔ اب حضور ﷺ وہاں سے اُٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا، جب آپ ﷺ گھر کے قریب پہنچ گئے، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ (ﷺ) اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار کر چلنا شروع کیا، میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابواسحٰق؟ میں نے کہا، جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضور ﷺ! آپ ﷺ نے اوّل دُعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آ گیا اور آپ ﷺ کو مشغول کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں ہاں وہ دُعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی ہے جو اُنہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰــــهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ o سنو جو بھی مسلمان کسی معاملہ میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دُعا کرے اللہ تعالیٰ ضرور اُسے قبول فرماتا ہے۔

۲۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دُعا کے ساتھ دُعا کرے اس کی دُعا ضرور قبول کی جائے گی۔

۳۔ ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

۴۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں خدا کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرمالے اور جو مانگا جائے وہ عطا فرمائے وہ حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا میں ہے۔

۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ دُعا حضرت یونس علیہ السلام کے لیے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لیے عام جو بھی یہ دُعا

کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دُعا قبول فرمائی اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مومنوں کو چھڑاتے ہیں۔ پس جو بھی اس دُعا کو کرے اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے۔

۶۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ کثیر بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام حسن بصریؒ سے پوچھا کہ ابوسعید! خدا کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دُعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو عطا فرمائے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادر زادے کیا تم نے قرآن کریم میں خدا کا یہ فرمان نہیں پڑھا پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا، بھتیجے! یہی خدا کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دُعا کی جائے قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، صفحہ ۳۹۵-۳۹۶)

۷۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مسلمان نے اپنی بیماری کی حالت میں چالیس مرتبہ مذکورہ بالا آیت کریمہ پڑھ لی تو اگر اس بیماری میں وفات پا گیا تو چالیس شہیدوں کا اجر پائے گا اور اگر تندرست ہو گیا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(حصن حصین، صفحہ ۲۴۱)

والدین کا حق ادا کرنے کی دُعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ لِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ الْعَظَمَةُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ هُوَ الْمَلِكُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ النُّوْرُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

الْحَکِیْمُ ط

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ مذکورہ بالا دُعا پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے، اس نے والدین کا حق ادا کر دیا اور تین مرتبہ قل ہو اللہ، تین مرتبہ الحمد للہ شریف اور تین مرتبہ درود شریف بھی شامل کر لیں تو والدین کا فرمانبردار شمار ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ آدمی اگر کوئی نفل صدقہ کرے تو اس میں کیا حرج ہے کہ اس کا ثواب والدین کو بخش دیا کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں اس صورت میں ان کو ثواب پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (کنز)

نوٹ: اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں نافرمان ہو پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے استغفار کرے، اگر ان کے ذمہ قرض ہو تو اس کو ادا کرے اور ان کو برا نہ کہے تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص والدین کی زندگی میں فرمانبردار تھا لیکن اُن کے مرنے کے بعد ان کو برا بھلا کہتا ہے، ان کا قرض بھی ادا نہیں کرتا ان کے لیے استغفار بھی نہیں کرتا وہ نافرمان شمار ہو جاتا ہے۔ (دُرِ منثور)

حکمت بھرا کلام

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

۱۔ اے بیٹے! تم حفاظت کرو نماز میں اپنے دل کی۔

۲۔ لوگوں کی محفل میں اپنی زبان کی۔

۳۔ دوسروں کے گھروں میں اپنی نگاہوں کی۔

۴۔ دستر خوان پر اپنے معدہ کی۔

اور دو چیزوں کو فراموش کر دیا کرو

۱۔ تمہارے ساتھ اوروں کا برا رویہ۔

۲۔ تمہارا اوروں کے ساتھ حسن سلوک۔

اور دو چیزوں کو ہمیشہ یاد رکھو:

۱۔ اللہ کی یاد

۲۔ موت کی تیاری

ارشادِ ربّانی

۱۔ میں نے اپنی رضا کو مخالفتِ نفس میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے موافقتِ نفس میں تلاش کرتے ہیں

—— بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

۲۔ میں نے آرام کو جنت میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں

—— بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

۳۔ میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے سیری میں تلاش کرتے ہیں

—— بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

۴۔ میں نے تونگری کو قناعت میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے مال میں تلاش کرتے ہیں

—— بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

۵۔ میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھ دیا ہے
لوگ اسے بادشاہوں کے دروازوں پر تلاش کرتے ہیں
—— بھلا وہ کیسے پائیں گے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے

۱۔ میری طرف آکر تو دیکھ — متوجہ نہ ہوں تو کہنا
۲۔ میری راہ میں چل کر تو دیکھ — راہیں نہ کھول دوں تو کہنا
۳۔ میرے لیے بیقدر ہوکر تو دیکھ — قدر کی حد نہ کردوں تو کہنا
۴۔ میرے لیے ملامت سہ کر تو دیکھ — اکرام کی انتہا نہ کردوں تو کہنا
۵۔ میرے لیے لُٹ کر تو دیکھ — رحمت کے خزانے نہ لٹا دوں تو کہنا
۶۔ میرے کوچے میں بِک کر تو دیکھ — تجھے انمول نہ کردوں تو کہنا
۷۔ مجھے اپنا رب مان کر تو دیکھ — سب سے بے نیاز نہ کردوں تو کہنا
۸۔ میرے خوف سے آنسو بہا کر تو دیکھ — مغفرت کے دریا نہ بہا دوں تو کہنا
۹۔ وفا کی لاج نبھا کر تو دیکھ — عطا کی حد نہ کردوں تو کہنا
۱۰۔ میرے نام کی تعظیم کرکے تو دیکھ — تکریم کی انتہا نہ کردوں تو کہنا
۱۱۔ میری راہ میں نکل کے تو دیکھ — اَسرار عیاں نہ کردوں تو کہنا
۱۲۔ مجھے حیُّ القیوم مان کر تو دیکھ — ابدی حیات کا امین نہ بنا دوں تو کہنا
۱۳۔ اپنی ہستی کو فنا کرکے تو دیکھ — جامِ وفا سے سرفراز نہ کردوں تو کہنا
۱۴۔ بالآخر میرا ہوکر تو دیکھ — ہر کسی کو تیرا نہ بنا دوں تو کہنا

جب بالغ ہوئے تو کیا دیکھا

۱۔ دولت کی نمائش کرنے والوں کو مفلسی کی آغوش میں دیکھا
۲۔ علم کی نمائش کرنے والوں کو جاہلوں کی مجلس سجاتے دیکھا
۳۔ طاقت کی نمائش کرنے والوں کو کمزوروں کی غلامی کرتے دیکھا
۴۔ عبادت کی نمائش کرنے والوں کو دین سے منہ موڑتے دیکھا
۵۔ سخاوت کی نمائش کرنے والوں کو صدقات کی روٹی پر پلتے دیکھا
۶۔ لوگوں کے رحم پر پلنے والوں کو ہمیشہ مفلسی اور محتاجی میں دیکھا
۷۔ دین سے دنیا کمانے والوں کو چہرے سے رونق اُڑتے دیکھا
۸۔ صبر و شکر کرنے والوں کو دنیا میں باوقار دیکھا
۹۔ حسد و کینہ میں جلنے والوں کو روزی کی تنگدستی میں دیکھا
۱۰۔ جھوٹ بولنے والوں کو ایمان سے دور ہوتے دیکھا
۱۱۔ غصہ میں رہنے والوں کو عقل کی محرومی میں دیکھا
۱۲۔ لوگوں سے اُمیدیں رکھنے والوں کو نااُمید اور پریشان دیکھا
۱۳۔ لوگوں سے سوال کرنے والوں کو بے عزتی کے عالم میں دیکھا
۱۴۔ سچی توبہ کرنے والوں کو عبادت میں لذت لیتے دیکھا
۱۵۔ گناہوں میں جینے والوں کو پریشانی کے دلدل میں دھنستے دیکھا
۱۶۔ بندوں کے حقوق جھٹلانے والوں کو اپنے حق پر روتے دیکھا
۱۷۔ ناجائز کمائی پر پلنے والوں کو مصیبتوں کے جال میں پھنستے دیکھا
۱۸۔ والدین کے فرماں برداروں کو ترقی کی منزل چھوتے دیکھا
۱۹۔ ماں باپ کے نافرمانوں کو اولاد کے ظلم و ستم سہتے دیکھا

۲۰۔ ظلم و ستم کرنے والوں کو مظلوم کی خوشامد کرتے دیکھا
۲۱۔ اللہ کے حقوق ادا کرنے والوں کو اپنے ہی سائے سے ڈرتے دیکھا
۲۲۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے والوں کو دنیا میں شہرت پاتے دیکھا
۲۳۔ اُستاد کی خدمت کرنے والوں کو خدمت گزاروں کے سائے میں دیکھا
۲۴۔ بے ہوشی میں جینے والوں نے جب ہوش میں آئے تو کیا کیا دیکھا

خواتینِ اسلام سے اسلام کے مطالبے

۱۔ اپنی زیب وزینت کی چیزوں کا مردوں پر اظہار نہ ہونے دیں۔
۲۔ اپنے زیورات کی آواز تک غیر محرموں کے کان تک نہ جانے دیں۔
۳۔ خوشبو، عطر وغیرہ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔
۴۔ مردوں سے گفتگو کرتے وقت لب ولہجہ اور آواز میں نزاکت پیدا نہ کریں۔
۵۔ راہ چلتے یا مرد سے باتیں کرتے وقت اپنی نظریں نیچی رکھیں۔
۶۔ ایسے راستے سے نہ گزریں جہاں مردوں کی ریل پیل ہو بلکہ کنارے کنارے ہو کر گزریں۔
۷۔ گھر سے باہر نکلنے کے بعد اپنی چال ڈھال میں حیا کو مقدم رکھیں۔
۸۔ کسی غیر عورت کی صفت اپنے خاوند سے بیان نہ کریں۔
۹۔ کسی غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کریں خواہ سفرِ حج ہی کیوں نہ ہو۔
۱۰۔ اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔

خود کی حقیقت

اگر ساری دنیا ہماری تعریف کرے تو اس تعریف سے ہمارا کچھ بھلا نہ ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ نہ فرمادیں کہ میں تم سے راضی ہو گیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اگر بہت سے لوگ تمہاری تعریف کریں تو تم اپنی قیمت نہ لگا لینا کیوں کہ غلاموں کے قیمت لگانے سے غلاموں کی قیمت نہیں بڑھتی، غلاموں کی قیمت مالک کی رضا سے بڑھتی ہے، لہٰذا سید سلیمان ندویؒ کا ایک شعر ہے ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہاں ہماری خوب تعریفیں ہو رہی ہیں لیکن وہاں ہماری قیمت کیا ہوگی یہ قیامت کے دن معلوم ہوگا۔ ان کا دوسرا شعر ہے ؎

حیاتِ دو روزہ کا کیا عیش و غم
مسافر رہے جیسے تیسے رہے

کیوں کہ عارضی حیات سے بعض وقت آدمی کو دھوکہ لگ جاتا ہے۔

جسے دنیا کا عیش حاصل ہو ضروری نہیں کہ اس کے قلب میں بھی عیش ہو۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں ؎

از بروں چو گور کافر پر حلل
و اندرون قہرِ خدائے عزّوجل

اگر کسی کافر بادشاہ کی قبر پر سنگِ مرمر لگا دیا جائے اور دنیا بھر کے سلاطین اگر وہاں پھولوں کی چادریں چڑھادیں اور بینڈ باجے بج جائیں اور فوج کی سلامی ہو لیکن قبر کے اندر جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو رہا ہے اس کی تلافی قبر کے اوپر سنگ مرمر نہیں کر سکتے اور اوپر کی

روشنیاں اور بجلیاں اور دنیا والوں کے سلوٹ اور سلامتی کچھ مفید نہیں ہیں۔ اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کیا، چاہے ایئر کنڈیشن میں بیٹھے ہوں، بیوی بچے بھی ہوں اور خوب خزانہ ہو ہر وقت ریالوں کی گنتی ہو رہی ہو اور بینک میں بھی کافی پیسہ جمع ہو لیکن یہ ظاہر کا آرام ہے۔

یہ جسم ایک قبر ہے، جسم کے اوپر کا ٹھاٹ باٹ دل کے ٹھاٹ باٹ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ ایئر کنڈیشن ہماری کھالوں کو تو ٹھنڈا کر سکتے ہیں مگر دل کی آگ کو نہیں بجھا سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہیں تو جسم لاکھ آرام میں ہو لیکن دل عذاب میں مبتلا رہے گا اور چین نہیں پا سکتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

اور ایک بزرگ کا عربی شعر ہے ؎

لِکُلِّ شَیْءٍ اذا فارقته عوض
ولیس للّٰه ان فارقت من عوض

یعنی ہر شے جس سے تم جدا ہو گے اس کا بدل مل سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے تم کو جدائی ہو گئی تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کا کوئی ہمسر اور بدل نہیں۔

کھانے کا مزا جدا جدا ہے
اسی طرح اعمال کا مزا بھی جدا جدا ہے

میرے دوستو! جس طرح ہر کھانے کا مزا جدا ہے اللہ کی قسم ہر نیک عمل کی لذت جدا ہے۔ مثلاً

آم کھایئے اس کا مزا کچھ اور ہے۔

انار کھایئے اس کا مزا کچھ اور ہے۔

پپیتا کھایئے اس کا مزا کچھ اور ہے۔

شربت پیجیے اس کا مزا کچھ الگ ہے۔

ٹھنڈا پانی پیجیے اس کا مزا کچھ الگ ہے۔

مختلف نوع کے مشروبات کہ جن کا مزا الگ ہے۔

تو جس طرح کھانے پینے کی مختلف چیزوں کا مختلف اور الگ الگ مزا ہے اسی طرح دین کے مختلف شعبوں کے مختلف اعمال کا مزا بھی جدا جدا ہے۔

- پر خلوص نماز پڑھیے مزا کچھ اور ہے
- روزہ رکھیے مزا کچھ اور ہے
- ایمان میں پختگی یقین کا مزا کچھ اور ہے
- ذکر اللہ کا مزا کچھ اور ہے
- چلّہ دینے کا مزا کچھ اور ہے
- گشت کرنے کا مزا کچھ اور ہے
- معاملات میں جھوٹ، دھوکہ وغیرہ سے بچنے کا مزا کچھ اور ہے
- ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا مزا کچھ اور ہے
- اولاد کے مابین برابری کرنے کا مزا کچھ اور ہے
- اچھی بری تقدیر پر رضامندی کا مزا کچھ اور ہے
- انعامات پر شکر کا مزا کچھ اور ہے

- نفس میں صبر وضبط کا مزا کچھ اور ہے
- فرائض وسنن کی پابندی کا مزا کچھ اور ہے
- مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنے کا مزا کچھ اور ہے
- برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کا مزا کچھ اور ہے
- ظالم کا بدلہ عفو و درگزر سے دینے کا مزا کچھ اور ہے
- یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنے کا مزا کچھ اور ہے
- بیوہ عورتوں کی فریادرسی کا مزا کچھ اور ہے
- غیر محرم سے آنکھ بند کرنے کا مزا کچھ اور ہے
- سچ بولنے کا مزا کچھ اور ہے
- مسجد وار جماعت میں بیٹھنے کا مزا کچھ اور ہے
- دوسرے کی خاطر قربانی دینے کا مزا کچھ اور ہے
- کسی مسلمان کی حاجت کے لیے چلنے کا مزا کچھ اور ہے

یہی وجہ ہے کہ اللہ والے تلاوتِ قرآن کے دوران ایک ایک آیت پڑھنے پر مزا محسوس کرتے ہیں جیسے آئس کریم کھانے والا ہر چمچہ پر مزا محسوس کرتا ہے۔

تین چلہ پیدل جماعت میں جانے کا مزہ کچھ اور ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا. (سورۂ انفال، آیت ۲)

جب اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

ہمیں تلاوتِ قرآن کا لطف کیوں نہیں آتا؟

جب اللہ کا قرآن پڑھا جاتا ہے، اللہ والوں کو لطف آتا ہے ہمیں لطف کیوں نہیں آتا؟

اس لیے کہ ہم نے اندر کی مایہ پر محنت نہیں کی ہے۔ آج نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور خیالوں میں بازار میں پھر رہے ہوتے ہیں، تلاوت کر رہے ہوتے ہیں دل و ماغ کسی اور کے خیالات میں لگا ہوا ہوتا ہے، ایسے وقت میں عبادات کی لذت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

عجیب عبادتیں

آج ہماری عبادات کی حالت عجیب ہے۔ ایسے بھی مواقع آئے کہ امام کو نماز کی رکعتوں میں سہو ہوا، بعد میں مقتدیوں سے پوچھا کتنی رکعات پڑھیں، بھری مسجد میں کوئی بتانے والا نہیں کتنی رکعت پڑھیں... سب غیر حاضر۔ اللہ اکبر۔ یہ نمازوں کی حالت ہے، یہ عبادات کی کیفیت ہے۔ کسی عارف نے کیا پیاری بات کہی، فرماتے ہیں:

بہ زمین چوں سجدہ کر دم ز زمین ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

جب میں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے ندا آئی، او ریا کے سجدہ کرنے والے تو نے مجھے بھی خراب کر دیا۔

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

جب دل صنم خانہ بن چکا ہو بت خانہ بن چکا ہو تو پھر سجدے کی لذت نہیں آیا کرتی۔

وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

جن پہ سجدے مچلتے تھے وہ پیشانیاں کہاں گئیں۔ جو اللہ کے ڈر سے کانپتے تھے وہ دل کہاں گئے؟ آج زندگی مختلف ہو گئی۔

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رُخِ زیبا لے کر

نہ تلقین غزالی نظر آتی ہے نہ پیچ وتاب رازی نظر آتا ہے کیا وجہ ہے؟ محنت کا رُخ جدا ہو گیا۔ اصلی مایہ پر محنت کرنے کے بجائے آج ہم نے نقلی مایہ پر محنت کرنا شروع کردی ہے۔ اصلی مایہ کو بھلا بیٹھے، جب ہم نے اصلی مایہ کو بھلا دیا تو ہم دنیا کے اندر ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
غیروں کی کہانی یاد رہی ہم اپنا فسانہ بھول گئے

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے

تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل دہل جاتے ہیں وہ ضرب لگانا بھول گئے

کہاں گئے وہ نوجوان جو رات کے آخری پہر میں اُٹھ کر لا الٰہ الاّ اللہ کی ضربیں لگایا کرتے تھے۔ ان کے سینوں میں دل کانپتے تھے، جن کے معصوم ہاتھ اُٹھتے تھے تو دنیا میں ایسے انقلاب آجاتے تھے جو ایٹم بموں سے بھی نہیں برپا ہوتے۔ رات کو اٹھ کر رونے کی لذت سے آج ہم نا آشنا ہیں۔ تہجد کا وقت تو قبولیت دُعا کا وقت ہوتا ہے۔

مناجات

یا الٰہی روز و شب توفیقِ احساں دے مجھے	خوف اپنا ظاہر و باطن میں یکساں دے مجھے
حُبِّ سنت یا الٰہی عشقِ قرآں دے مجھے	نعمت دارین یعنی نورِ ایماں دے مجھے
میں نہیں کہتا کہ تو تختِ سلیماںؑ دے مجھے	اپنی اُلفت دے مجھے بس عزم وایقاں دے مجھے
تادمِ آخر رہوں اسلام پر ثابت قدم	استقامت پختگی ہر لحہ ہر آں دے مجھے
عزم دے ایسا پہاڑوں سے بھی جا ٹکراؤں میں	قوتِ حیدرؓ دے مجھ کو جذبِ سلیماں دے مجھے
مشعلِ راہِ ہدایت اُسوۂ فاروقؓ ہو	عشق نبیؐ جذبۂ صدیقؓ و عثماںؓ دے مجھے
راہِ خدمت میں ہی مر مٹنے کی ہے بس آرزو	اے مرے اللہ تو اسباب و ساماں دے مجھے
تجھ کو پا کر اے خدا پاؤں حیات جاوداں	جو خزاں ناآشنا ہو وہ گلستاں دے مجھے
بحرِ ظلمت میں بنے میرے لیے جو خضرِ راہ	غیب سے ایسا کوئی مردِ مسلماں دے مجھے
قلب دے ایسا جو تیری یاد میں پگھل جائے	خوف سے اپنے الٰہی چشم گریاں دے مجھے
کر مجھے یا رب غنائے ظاہر و باطن عطا	تندرستی اے طبیب دردمندا دے مجھے
اہلِ بدعت اور بدکاروں کی صحبت سے بچا	یا الٰہی اُلفت پرہیزگاراں دے مجھے
کام میرا زندگی بھر خدمتِ قرآن ہو	فہمِ قرآں دے خدایا نورِ عرفاں دے مجھے

راز و احقر کو عطا کر اے خدا اپنی رضا
استقامت تادمِ آخر اے رحماں دے مجھے

اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ	اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ	اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
وہ حاضر و ناظر قادرِ مطلق	دارد محشر قاہر برحق

عالم کی ضیا وہ نورِ فلق سب سے نرالا سب سے غَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
سب کا مالک سب کا خالق سب کا حاکم سب کا رازق
سب سے لائق سب سے فائق دنیا اس کے کُن سے بنی
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
ہاتھ پساریں کس کے آگے سب غوث وقطب محتاج اس کے
لینا دینا اس کے قبضے اس نے ہی بنائی جس کی بَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
اس کو منائیں سب من جائیں اس سے چھٹیں سب چھٹ جائیں
پھر کیوں نہ اُسی کو اپنائیں سنتا ہے جو ہر دم بات اَپْنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ

جب حکم قضا آ جائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا

اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
وہ ہی مارے وہ ہی جلائے وہ ہی کھلائے وہ ہی پلائے
وہ ہی جگائے وہ ہی سلائے ہے اس سے بڑا پھر کون دَھنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ

کوئی بھی نہیں اس کا ہم سر　　ہو پیر و ولی یا پیغمبر
سب شاہ و گدا اس کے چاکر　　پھر کیوں نہ ہو اس سے حسن ظنی
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ　　اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
جس کو چاہے عزت دے دے　　جس کو چاہے ذلت دے دے
صورت دے دے سیرت دے دے　　کوئی نہیں ہے اُس سے مُسْتَغْنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ　　اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
نوح کا بیڑا پار لگایا　　آگ کو بھی گلزار بنایا
فخر جہاں سردار بنایا　　تقدیر شکستہ اپنی بَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ　　اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ
اَللّٰہُ غَنِیْ - اَللّٰہُ غَنِیْ

دو چار دنوں کا ڈیرا ہے　　یہ دنیا ایک بکھیڑا ہے
انسان کو طمع نے گھیرا ہے　　یہ تیرا ہے وہ میرا ہے
یہ زندگی آنی جانی ہے　　یہ دنیا دارِ فانی ہے
بے کار کی آنا کانی ہے　　یہ تیرا ہے وہ میرا ہے
اس دنیا میں جو آئے گا　　کچھ روز ٹھہر کے جائے گا
یہ جھگڑا کام نہ آئے گا　　یہ تیرا ہے وہ میرا ہے
قارون گیا دولت نہ گئی　　دارا بھی گیا حشمت نہ گئی
انسان کی مگر خصلت نہ گئی　　یہ تیرا ہے وہ میرا ہے

زر زور زمیں، زن زیور سب ہیں باعث قتل و جنگ و غضب
دنیا کے ہر ایک جھگڑے کا سبب یہ تیرا ہے وہ میرا ہے
جب روح جدا ہو گئی تن سے واپس نہیں آ سکتی دھن سے
پھر کیوں یہ تپسّیا ہے مَن سے یہ تیرا ہے وہ میرا ہے
دولت کا شوق ہے حرص آگیں مہر نیک نہیں تو بد بھی نہیں
اِتنا نہ مگر بڑھ جائے کہیں یہ تیرا ہے وہ میرا ہے

عدم سے بشر آئے گا ایک دن زمانہ کہے گا اسے نیک دن
لڑکپن کے دن ہوں گے شاہی کے دن محبت کے دن بے گناہی کے دن
خوشی ان دنوں نور برسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی
پھر آئے گا مدہوش کرنے شباب رہے گا خیالِ شراب و کباب
کبھی جوشِ مستی کبھی نوشِ خواب نہ فکر ثواب و نہ خوفِ عذاب
گھٹا دل پہ پندار کی چھائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی
سپاہی جواں مرد کہلائے گا لڑائی میں زخم گراں کھائے گا
غش آئے گا سیروں لہو جائے گا کراہے گا تڑپے گا چلائے گا
فضا بوند پانی کو ترسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی
بشر ہوگا عالم میں ذی احتشام بڑھے گی لیاقت سے شہرت تمام

رہے گی نہ شہرت بھی اس کی مدام　　کہ شہرت کو بھی یاں نہیں ہے قیام

یہ شہرت نیا رنگ چمکائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ　　توانائی کا ہوگا پژمردہ پیڑ
لگائے گا اسپِ جوانی کو ایڑ　　نقاہت کرے گی قواؤں سے چھیڑ

طبیعت اس آفت سے گھبرائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

بڑھاپے سے ہوگا بڑا انقلاب　　نہ ہوگی دلیری نہ ہوگا شباب
ضعیفی کرے گی کل اعضا خراب　　یہاں تک کہ جینا بھی ہوگا عذاب

اجل چیل سی سر پر منڈلائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

مرض موت کا جب اُٹھائے گا سر　　دوا کرکے ہاریں گے کل چارہ گر
بگڑ جائے گا کھیل سب سر بسر　　بن آئے گی بیمار کی جان پر

بڑی سختیاں نزغ دکھلائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

صحت کا فارمولہ

جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے
وہاں تک چاہیئے بچنا دوا سے

اگر تجھ کو لگے جاڑے میں سردی　　تو استعمال کر انڈے کی زردی
جو ہو محسوس معدے میں گرانی　　تو پی لے سونف یا ادرک کا پانی

بنے گر خون کم، بلغم زیادہ　　تو کھا گاجر، چنے، شلغم زیادہ
جگر کے بل پہ ہے انسان جیتا　　اگر ضعف جگر ہے کھا پپیتا
جگر میں ہو اگر گرمی دہی کھا　　اگر آنتوں میں خشکی ہو تو گھی کھا
تھکن سے ہوں اگر عضلات ڈھیلے　　تو فوراً دودھ گرما گرم پی لے
زیادہ گر دماغی ہے ترا کام　　تو کھا لے شہد کے ہمراہ بادام
اگر ہو قلب پر گرمی کا احساس　　مربّا آملہ کھا اور اننّاس
جو دکھتا ہو گلا نزلے کے مارے　　تو کر نمکین پانی کے غرارے
اگر ہے درد سے دانتوں کے بیکل　　تو انگلی سے مسوڑھوں پر نمک مل

جو بدہضمی میں چاہے تو افاقہ
تو دو اِک وقت کا کر لے تو فاقہ

حمد باریٔ تعالیٰ

تیری ذات پاک ہے اے خدا　　تیری شان جلّ جلالہٗ
نہیں کوئی تجھ سا بھی دوسرا　　تیری شان جلّ جلالہٗ
تو خدا غریب و امیر کا　　تو سہارا شاہ و فقیر کا
تو ہے ساری دنیا کا آسرا　　تیری شان جلّ جلالہٗ
جسے چاہے تو وہ جلیل ہو　　جسے چاہے تَو وہ ذلیل ہو
کرے کون تجھ سے مقابلہ　　تیری شان جلّ جلالہٗ
کرے کون ظاہر جو بیاں　　تو سبھوں کی بھرتا ہے جھولیاں
ہے مجھے بھی تیرا ہی آسرا　　تیری شان جلّ جلالہٗ
جسے چاہے زندہ اٹھائے تو　　جسے چاہے مردہ اُٹھائے تو

تیرے ہاتھ میں ہے فنا بقا
تیری شان جلّ جلالہٗ

مناجات

اے خالقِ ارض سما اے مالک روزِ جزا
تو ابتدا، تو انتہا کوئی نہیں تیرے سوا
سب کا تو ہی حاجت روا مشکل میں تو مشکل کشا
کرتے ہیں تجھ سے التجا سن لے ہماری بھی دُعا
جو راہ سیدھی ہو دِکھا رستے صحیح ہم کو چلا
کر علم کی دولت عطا عزت عطا، شہرت عطا
رکھ ہر برائی سے پرے جب ہے بھلائی میں بھلا
لے کام بھی ہم سے وہی جس میں ہو بس تیری رضا
کر سرخ رو دنیا میں بھی عقبٰی کے بھی قابل بنا
ہر اک کا بیڑا پار کر
سب کو ٹھکانے سے لگا

ہر قسم کی بیماری، مصیبت، تجارتی قرض، دشمنوں سے حفاظت کا نسخہ

ہر قسم کی بیماری، مصیبت، تجارتی قرض، دشمنوں سے بچاؤ اور حفاظت میں اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے یہ دُعا صبح پڑھی جائے تو کبھی کبھی تو شام تک نتیجہ سامنے آجاتا ہے اور کبھی اللہ کے چاہنے سے تھوڑا انتظار کرنا پڑسکتا ہے لیکن تاثیر الحمد للہ اپنے وقت پر اثر دکھا کر رہتی ہے۔

دُعا کے وقت صرف عربی متن ہی پڑھیں۔ ترجمہ اس لیے لکھا گیا ہے کہ پڑھنے والا یہ

سمجھ سکے کہ کیا کچھ پڑھ رہا ہے۔

سولہ (۱۶) آیاتِ حفاظت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

۱۔ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَاۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ٥ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۵)

اور ان سب کی حفاظت کرنے میں وہ کبھی تھکتا نہیں، وہ بہت عالیشان اور عظیم الشان ہے۔

۲۔ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ٥ (سورۃ یوسف، آیت ۶۴)

بہتر حفاظت کرنے والا تو بس اللہ ہی ہے اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

۳۔ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطَانٍ مَّارِدٍ ٥ (سورۃ صٰفّٰت، آیت ۷)

اور آسمان کو ہم نے ہر مردود شیطان کے شر سے محفوظ کر دیا۔

۴۔ وَحِفْظًاؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ٥ (سورۃ حٰمٓ السجدہ، آیت ۱۲)

اور مکمل حفاظت ہے۔ یہ اندازہ باندھا ہوا ہے غالب علم والے کا۔

۵۔ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ٥ (سورۃ الحجر، آیت ۱۷)

اور آسمان کی حفاظت کے لیے ہم نے ہر شیطان مردود پر انگاروں کا پتھراؤ جاری کر دیا۔

۶۔ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ٥ (سورۃ الطارق، آیت ۴)

ایسی کوئی بھی جان نہیں ہے کہ اس پر محافظ مقرر نہ ہو۔

۷۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌo فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍo (سورۃ البروج، آیت ۲۱-۲۲)

بلکہ یہ تو وہ قرآن ہے جو بڑی شان والا ہے جیسا لوح محفوظ میں تھا ویسا ہی یہاں آیا ہے۔

۸۔ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط (سورۃ الانعام، آیت ۶۱)

اور اللہ تم پر حفاظت کرنے والے پہریدار بھیجتا ہے۔

۹۔ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌo (سورۃ ہود، آیت ۵۷)

بیشک میرا رب ہر چیز پر خود ہی نگہبان اور حفاظت فرمانے والا ہے۔

۱۰۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط
(سورۃ الرعد، آیت ۱۱)

اللہ نے ہر شخص کے آگے پیچھے لگے ہوئے چوکیدار مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے حکم سے آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔

۱۱۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَo (سورۃ الحجر، آیت ۹)

بیشک اس نصیحت نامہ کو ہم نے نازل فرمایا ہے اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

۱۲۔ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَo (سورۃ الانبیاء، آیت ۸۲)

اور ان سب کے لیے حفاظت کرنے والے ہم تھے۔

۱۳۔ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌo (سورۃ سبا، آیت ۲۱)

جب کہ آپ کا رب تو ہر چیز کی خود ہی حفاظت کرنے والا ہے۔

۱۴۔ اَللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍo (سورۃ الشوریٰ، آیت ۶)

ان کی حفاظت صرف اللہ کرتا ہے ان کی نگرانی کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

۱۵۔ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ٥ (سورۃ ق، آیت ۴)

ہمارے پاس حفاظت کا دستور لکھا ہوا موجود ہے۔

۱۶۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ٥ (سورۃ الانفطار، آیت ۱۰)

اور بیشک تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں۔

مرض سے شفایابی کی دُعا

ایسا مرض جس سے طبیب بھی عاجز آ چکے ہوں تو اس کے لئے بڑی آسان ترکیب ہے۔ اوّل و آخر ۱۷-۱۷ مرتبہ درود شریف، ۱۷ مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ کے وصل کے ساتھ، ۱۷ مرتبہ سورۂ اخلاص، ۱۷ مرتبہ آیۃ الکرسی (کل ۸۵ مرتبہ) پانی پر دم کر کے مریض یا مریضہ کو پلائیں۔ انشاء اللہ بحکم ربی جلد یا دیر افاقہ ہوگا۔

گھر والوں میں اتفاق پیدا کرنے کا نسخہ

اگر آپس میں گھر والوں میں نا اتفاقی ہو تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سات مرتبہ پڑھ کر کھانے پر دم کر کے سب کھا لیا کریں تو انشاء اللہ آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی۔

ممکن نہیں

۱۔ جیسی صحبت میں بیٹھے ویسا نہ بنے۔

۲۔ ہر کام میں جلدی کرے اور نقصان نہ اُٹھائے۔

۳۔ ہمت اور استقلال کو شعار بنائے اور مراد کو نہ پہنچے۔

۴۔ عورتوں کی صحبت میں بیٹھے اور رسوانہ ہو۔

۵۔ دوسروں کے جھگڑوں میں پڑتا پھرے اور آفت میں نہ پھنسے۔

۶۔ دنیا سے دل لگائے اور پشیمان نہ ہو۔

۷۔ زیادہ باتیں کرے اور کوفت نہ اُٹھائے۔

بھروسہ نہیں

۱۔ اَبر کے سایہ کا۔
۲۔ غیر عورت کی محبت کا۔
۳۔ خوشامدی کی تعریف کا۔
۴۔ غرض مند کی دوستی کا۔
۵۔ جواری کی مالداری کا۔
۶۔ کھانے پینے کے یاروں کا۔
۷۔ تندرستی اور زندگی کا۔

مت کھا

۱۔ زیادہ۔
۲۔ ہر کسی کے سامنے۔
۳۔ بازار میں کھڑے ہو کر۔
۴۔ بغیر خوب بھوک کے۔
۵۔ بات بات پر قسم۔

۶۔ بخیل کے یہاں دعوت۔

۷۔ حرام مال۔

آتی ہے

۱۔ محبت ودیانت اور کفایت شعاری سے دولت۔

۲۔ بےادبی کرنے سے بدنصیبی۔

۳۔ فضول خرچی سے مفلسی۔

۴۔ بڑوں کی صحبت میں بیٹھنے سے عقل۔

۵۔ غیبت کرنے اور سننے سے بیماری۔

۶۔ مصیبت وتکلیف میں صبر کرنے اور شکوہ نہ کرنے سے راحت۔

۷۔ یتیم، بیوہ اور وقف کا مال ناحق کھانے سے بربادی۔

شکست کھالے

۱۔ علم وہنر کے اظہار میں استاد سے۔

۲۔ زبان چلانے میں عورت سے۔

۳۔ اونچی آواز سے بولنے میں گدھے سے۔

۴۔ بحث کرنے میں جاہل سے۔

۵۔ کھانے پینے میں ساتھی سے۔

۶۔ مال خرچ کرنے میں شیخی خور سے۔

۷۔ لڑائی میں بیوی سے۔

قبول کر لے

۱۔ بھائی کا عذر چاہے دل نہ مانے۔

۲۔ نصیحت کی بات چاہے کڑوی ہو۔

۳۔ دوست کا ہدیہ چاہے حقیر ہو۔

۴۔ اپنی غلطی چاہے ذلت ہو۔

۵۔ غریب کی دعوت چاہے تکلیف ہو۔

۶۔ ماں باپ کا حکم چاہے ناگوار ہو۔

۷۔ بیوی کی محبت چاہے بدصورت ہو۔

نیکی اور شرافت

۱۔ اہل وعیال والے مفلس کی خفیہ مدد کرنا۔

۲۔ مخفی قرض اور حق کو ادا کر دینا۔

۳۔ برائی پانے کے باوجود رشتہ داروں کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہنا۔

۴۔ جہاں کوئی نہ کہہ سکے اور ضرورت ہو وہاں حق بات کہہ دینا۔

۵۔ کمزور اور مظلوم کی حمایت کرنا۔

۶۔ قابو پا کر معاف کر دینا۔

شکایت مت کر

۱۔ اپنی قسمت کی اور زمانہ کی۔

۲۔ اپنے ذاتی مکان کی تنگی کی۔

۳۔ اولاد کے سامنے اپنے بڑوں کی۔

۴۔ کبھی بھول کر بھی ماں، باپ اور اُستاد کی۔

۵۔ غیر کے سامنے اپنے دوست کی۔

۶۔ بیوی کے سامنے اس کے میکے والوں کی۔

۷۔ رخصت کرنے کے بعد اپنے مہمان کی۔

منتظر رہے

۱۔ زیادہ کھانے والا بیماری کا۔

۲۔ اوباش یاروں والا بربادی کا۔

۳۔ چغل خوری کرنے والا ذلّت وخواری کا۔

۴۔ خسر وساس سے برابرتاؤ کرنے والا اپنے داماد کا۔

۵۔ ماں باپ کا نافرمان اپنی اولاد کی نافرمانی اور مفلسی کا۔

۶۔ ظلم کرنے والا اپنی ہلاکت کا۔

۷۔ پڑوسی کو تکلیف پہنچانے والا خدا کے قہر وعذاب کا۔

بہتر ہے

۱۔ بدکار اور برے آدمی کی صحبت سے سانپ کی صحبت۔

۲۔ جھگڑا مول لینے سے غم کھانا۔

۳۔ بے غیرتی کی زندگی سے عزت کی موت۔

۴۔ بے موقع بولنے کی عادت سے گونگا ہو جانا۔

۵۔ چھچھورے آدمی کی مدد اور ہدیہ سے فاقہ۔
۶۔ حرام مال کی مالداری سے مفلسی۔
۷۔ خوف و ذلت کے حلوے سے آزادی کی خشک روٹی۔

دور بھاگ

۱۔ تہمت کی جگہ سے۔
۲۔ جھگڑے اور مقدمہ بازی سے۔
۳۔ سمدھیانہ کے پڑوس سے۔
۴۔ غیبت کے کرنے اور سننے سے۔
۵۔ فحش ناولوں اور رسالوں سے۔
۶۔ نشہ بازوں سے۔
۷۔ بری صحبت سے۔

آزمایا جاتا ہے

۱۔ بہادر مقابلے کے وقت۔
۲۔ مستقل مزاج مصیبت کے وقت۔
۳۔ امانت دار مفلسی کے وقت۔
۴۔ عورت کی محبت کو فاقہ کے وقت
۵۔ دوست ضرورت کے وقت۔
۶۔ شریف معاملہ ٹوٹنے کے وقت۔

۷۔ بردبار غصہ کے وقت۔

ظاہر مت کر

۱۔ کسی کا عیب۔

۲۔ دل کا بھید۔

۳۔ سفر کرنے کی سمت۔

۴۔ اپنی تجارت کا فائدہ اور نقصان۔

۵۔ امانت کی بات۔

۶۔ پوری طاقت۔

۷۔ زیادہ ضرورت۔

آٹھ آدمیوں پر تعجب ہے!

۱۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو جانتا ہو اور پھر بھی ہنسے۔

۲۔ تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ یہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے پھر بھی اس میں رغبت کرے۔

۳۔ تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔

۴۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو پھر بھی مال جمع کرے۔

۵۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو پھر بھی گناہ کرے۔

۶۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو پھر بھی کسی اور کا ذکر کرے۔

۷۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو پھر بھی کسی چیز میں راحت پائے۔
۸۔ تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے پھر بھی اسی کی اطاعت کرے۔

کھانے کی کچھ سنتیں

۱۔ دستر خوان بچھانا۔
۲۔ دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔
۳۔ کلّی کرنا ضروری نہیں لیکن اگر کوئی منہ کی صفائی کے لئے کرنا چاہے تو منع نہیں ہے البتہ حالت جنابت میں کلّی کے بغیر کھانا مکروہ ہے۔
۴۔ بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا۔
۵۔ داہنے ہاتھ سے کھانا۔
۶۔ کھانے کی مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ بزرگ اور بڑا ہو اس سے کھانا شروع کرانا۔
۷۔ کھانا ایک قسم کا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا۔
۸۔ اگر کوئی لقمہ گر جائے تو اُٹھا کر صاف کر کے کھانا۔
۹۔ ٹیک لگا کر نہ کھانا۔
۱۰۔ کھانے میں کوئی عیب نہ نکالنا۔
۱۱۔ جوتا اُتار کر کھانا۔
۱۲۔ کھانے کے وقت اُکڑوں بیٹھنا کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور سرین زمین پر ہو۔ یا ایک گھٹنا کھڑا ہو اور دوسرے گھٹنے کو بچھا کر اس پر بیٹھے یا دونوں گھٹنے زمین پر بچھا کر قعدہ کی طرح آگے کی طرف ذرا جھک کر بیٹھے۔

۱۳۔ کھانے کے بعد برتن پیالہ و پلیٹ کو اچھی طرح اُنگلی سے صاف کر لینا، کیوں کہ برتن بھی اس کے لیے دُعائے مغفرت کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

۱۴۔ کھانے کے بعد کی دُعا پڑھنا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

۱۵۔ پہلے دسترخوان اُٹھوانا پھر خود اُٹھنا۔

۱۶۔ دونوں ہاتھ دھونا۔

۱۷۔ کلّی کرنا۔

۱۸۔ اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یوں پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ ط

۱۹۔ جب کسی کے یہاں دعوت کھائے تو میزبان کو یہ دُعا دے:

اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَّنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ ط

ترجمہ: اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا اُسے پلا۔

افکارِ عالیہ۔ اللہ کا ذکر ہر حال میں

جب کوئی بھی کام شروع کرے تو کہے — بِسْمِ اللّٰہِ

جب کسی کام کے کرنے کا وعدے کرے تو کہے — اِنْ شَآءَ اللّٰہ

جب کسی چیز میں موجود خوبی کی تعریف کرے تو کہے — سُبْحَانَ اللّٰہ

جب کوئی دُکھ تکلیف پیش آئے تو کہے — یَآ اَللّٰہ

جب کسی چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے تو کہے — مَا شَآءَ اللّٰہ

جب کسی کا شکریہ ادا کرے تو کہے	جَزَاكَ اللّٰهُ
جب نیند سے بیدار ہو تو کہے	لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه
جب چھینک آئے تو کہے	اَلْحَمْدُ لِلّٰه
جب کسی دوسرے کو چھینکتا ہوا دیکھے تو کہے	يَرْحَمُكَ اللّٰهُ
جانے انجانے میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو کہے	اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ
جب کسی کو کچھ خیرات کرے تو کہے	فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
جب کسی کو رخصت کرے تو کہے	فِیْ اَمَانِ اللّٰهِ
جب کوئی مصیبت یا مشکل درپیش ہو تو کہے	تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ
جب کوئی ناپسندیدہ، نازیبا کلمات سنے یا کہے ہوں تو کہے	نَعُوْذُ بِاللّٰهِ
جب کوئی دل پسند بات کہے یا سنے تو کہے	فَتَبَارَكَ اللّٰهُ
جب دُعا میں شریک ہو تو کہے	اٰمِيْن
جب کسی کی موت کی خبر ملے تو کہے	اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اُمت مسلمہ سے قرآن کی شکایت ہے کہ

۱۔ آپ نے قرآن کا حق ادا نہیں کیا، اس سے غفلت برتی۔

۲۔ آپ کے گھر سے فحش گانوں کی آواز تو آتی ہے مگر قرآن کی تلاوت کی نہیں۔

۳۔ آپ نے اُسے جزدانوں اور طاقوں میں سجایا مگر زندگیوں میں نہیں اُتارا۔

۴۔ آپ کے پاس کیبل ٹی وی اور فلمیں دیکھنے، ریڈیو سننے، ٹیپ ریکارڈ سننے، میوزک سننے، ناول، گندے فلمی رسالوں کے پڑھنے کے لیے وقت ہے لیکن قرآن کی تلاوت

اور دینی معلومات پر مبنی کتابوں کے مطالعے کے لیے وقت نہیں۔

عجیب قصہ

بادشاہ کی بیوی نے بادشاہ سے کہا تو جہنمی ہے، بادشاہ نے کہا اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے تین طلاق، اب یہ بیوی حلال ہے یا حرام

امام شافعیؒ یا کسی اور فقیہ کے دَور کا واقعہ ہے کہ اُس وقت کا بادشاہ اپنی بیوی کے ساتھ تخلیہ میں تھا۔ اس کی بیوی کسی وجہ سے اس سے ناراض تھی، بادشاہ چاہتا کہ محبت و پیار میں وقت گزاریں اور بیوی جلی بیٹھی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ اس کی شکل ایک آنکھ بھی نہ دیکھوں۔ اِدھر سے اصرار اور اُدھر سے انکار۔ جب بہت دیر گزر گئی تو بادشاہ نے محبت میں کچھ اور بات کر دی۔ جب بادشاہ نے بات کر دی تو بیوی نے کہا، جہنمی دفعہ ہو یہاں سے۔ جب بیوی نے اتنی بڑی بات کہہ دی تو بادشاہ کو بھی غصہ آ گیا، چنانچہ کہنے لگا، اچھا اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے بھی تین طلاق۔ اب بادشاہ نے بات تو کہہ دی، مگر وہ دونوں پوری رات متفکر رہے کہ آیا طلاق ہوئی بھی ہے یا نہیں۔

خیر صبح اُٹھے تو اُن کے دماغ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ چنانچہ فتویٰ لینے کے لیے متفکر ہو گئے۔ کسی مقامی عالم کے پاس پہنچے اور ان کو پوری صورتِ حال بتائی اور کہا کہ بتائیں کہ طلاق واقع بھی ہوئی یا نہیں کیوں کہ مشروط تھی، اُنہوں نے کہا، میں اس کا فتویٰ نہیں دے سکتا کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ تم جہنمی ہو یا نہیں۔ کئی اور علما سے بھی پوچھا گیا مگر ان سب نے کہا کہ ہم اس کا فتویٰ نہیں دے سکتے کیوں کہ بات مشروط ہے۔

بادشاہ چاہتا تھا کہ اس قدر خوبصورت اور اچھی بیوی مجھ سے جدا نہ ہو۔ مگر مسئلہ کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اب حلال بھی ہے یا نہیں، چنانچہ بڑا مسئلہ بنا۔ بلکہ بادشاہ کا مسئلہ تو اور

زیادہ پھیلتا ہے۔ بالآخر ایک فقیہ کو بلایا گیا اور ان سے عرض کیا گیا کہ آپ بتائیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں جواب تو دوں گا مگر اس کے لیے مجھے بادشاہ سے تنہائی میں کچھ پوچھنا پڑے گا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، پوچھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے بادشاہ سے علیحدگی میں پوچھا کہ کیا آپ کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع آیا ہے کہ آپ اس وقت گناہ کرنے پر قادر ہوں مگر آپ نے اللہ کے خوف سے وہ کبیرہ گناہ چھوڑ دیا ہو۔

بادشاہ سوچنے لگا، کچھ دیر کے بعد اس نے کہا، ہاں! ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ پوچھا، وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا، ایک مرتبہ جب میں آرام کے لیے دوپہر کے وقت اپنے کمرے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ محل میں کام کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی میرے کمرے میں کچھ چیزیں سنوار رہی تھی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو میں نے اس لڑکی کو کمرے میں اکیلے پایا۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر میرا خیال برائی کی طرف چلا گیا، چنانچہ میں نے دروازے کی کنڈی لگا دی اور اس کی طرف آگے بڑھا۔ وہ لڑکی ایک نیک عفیفہ اور پاکدامنہ تھی۔ اس نے جیسے ہی دیکھا کہ بادشاہ نے کنڈی لگا لی ہے اور میری طرف خاص نظر کے ساتھ قدم اُٹھا رہا ہے تو وہ فوراً گھبرا گئی، جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ کہنے لگی یَا مَلِكُ! اِتَّقِ اللّٰهَ اے بادشاہ! اللہ سے ڈر۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو اللہ کا نام سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اللہ کا جلال میرے اوپر غالب آ گیا۔ چنانچہ میں نے اس لڑکی سے کہا، اچھا، چلی جا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اسے کمرے سے بھیج دیا۔ اگر میں گناہ کرنا چاہتا تو اس وقت اس لڑکی سے گناہ کر سکتا تھا، مجھ سے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا مگر اللہ کے جلال، عظمت اور خوف کی وجہ سے میں نے اس لڑکی کو بھیج دیا اور گناہ سے باز آیا۔

اس فقیہ نے فرمایا کہ اگر تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور تیری طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

اب دوسرے علماء نے کہا، جناب! آپ کیسے فتویٰ دے سکتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا، جناب! میں نے اپنی طرف سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ یہ فتویٰ تو قرآن دے رہا ہے۔ وہ حیران ہو گئے کہ قرآن نے فتویٰ کہاں دیا۔ اُنہوں نے جواب میں قرآن کی آیت پڑھی:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo

کہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات میں پڑنے سے بچا لیا تو ایسے بندے کا ٹھکانہ جنت ہوگی۔

پھر اُنہوں نے بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا، چونکہ تم نے اللہ کے خوف کی وجہ سے گناہ کو چھوڑا تھا اس لیے میں لکھ کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں معیت کا یہ استحضار نصیب فرما دیں، ہمیں گناہوں کی لذت سے محفوظ فرما دیں اور بقیہ زندگی گناہوں سے پاک ہو کر گزارنے کی توفیق عطا فرما دیں۔
(آمین ثم آمین)

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے سبھی پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

آسمانی کتابوں میں صرف قرآن اپنی اصلی صورت پر باقی ہے

ایک دینی عالم کو بیرونِ ملک میں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کا موقع ملا جہاں عیسائیوں کا پادری بھی بیٹھا ہوتا تھا، یہودیوں کا ربائی بھی ہوتا تھا اور ہندوؤں کا پنڈت بھی ہوتا تھا، گویا مختلف مذاہب کے عالم ہوتے تھے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مذہب کے بارے میں بات کرنی ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی نے پوچھا کہ آئندہ جب ہماری محفل ہوگی تو ہمیں اس وقت کیا

کرنا چاہیے؟ ان عالم صاحب نے کہا کہ ہر ہر مذہب والے کے پاس جو ''اللہ کا کلام ہے'' اس کی تلاوت کرنی چاہیے اور پڑھ کر سمجھانا بھی چاہیے کہ اس کا خلاصہ کیا ہے۔ اس بات پر سب آمادہ ہو گئے۔

چنانچہ جب اگلی دفعہ پہنچے تو اُنہوں نے سب سے پہلے ان عالم سے کہا کہ آپ ہی ابتدا کریں۔ اس مولانا نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور اس کا خلاصہ بھی اُنہیں سمجھایا کیوں کہ یہ فاتحۃ الکتاب ہے۔ مولانا کے بعد عیسائی کی باری تھی۔ اُس نے بائبل پڑھنی شروع کی، جب اس نے بائبل پڑھی تو مولانا نے اُس سے کہا کہ مجھے ایک بات کی وضاحت مطلوب ہے۔ وہ کہنے لگا، کیا وضاحت مطلوب ہے؟ مولانا نے کہا، آپ بائبل کس زبان میں پڑھ رہے ہیں؟ کہنے لگا، انگریزی زبان میں۔ مولانا نے کہا، آپ اللہ کا کلام پڑھیں، اللہ کا کلام انگریزی زبان میں تو نازل نہیں ہوا تھا، چونکہ یہ بات طے ہوئی تھی کہ ہر مذہب والے کے پاس جو اللہ کا کلام ہے وہ پڑھیں گے اس لیے آپ اللہ کا کلام پڑھیں۔ وہ کہنے لگا، جی وہ تو ہمارے پاس نہیں ہے، ہمارے پاس تو فقط اس کا انگلش ترجمہ ہے جو کہ انسانوں کے الفاظ ہیں۔ آگے یہودی بیٹھا تھا وہ کہنے لگا کہ پھر تو ہمارے پاس بھی اللہ کا کلام نہیں ہے۔ مولانا نے پوچھا، کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ جس زبان میں ہماری یہ کتاب نازل ہوئی آج وہ زبان بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، اس زبان کو پڑھنے اور سمجھنے والے ہی موجود نہیں تو وہ کتاب کیسے پڑھیں؟

بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پوری دنیا کے ادیان میں سے صرف دین اسلام والے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس اللہ رب العزت کا کلام اصل شکل میں آج تک موجود ہے۔ جب مولانا نے اُنہیں بتایا کہ اس کتاب کے ہمارے ہاں حافظ بھی موجود ہیں تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ مولانا نے کہا کہ آپ کی کتاب کے کسی ایک صفحہ کا کوئی حافظ ہو تو مجھے دکھائیں۔ اوّل تو کتاب ہی محفوظ نہیں اور جو کچھ موجود ہے اس کے ایک صفحہ کا بھی کوئی

حافظ نہیں۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے دین اسلام ہی کو بخشا ہے۔

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارہ تو زمین پہ نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

ناجائز عشق سے دنیا وآخرت تباہ ہوجاتی ہے — طاعات کا نور سلب ہوجاتا ہے

بدنگاہی کے مضرات اس قدر ہیں کہ بسا اوقات ان سے دنیا ودین دونوں تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں، آج کل اس مرضِ روحانی میں مبتلا ہونے کے اسباب بہت زیادہ پھیلتے جارہے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کے بعض مضرات اور اُن سے بچنے کا علاج مختصر طور پر تحریر کردیا جائے، تاکہ اس کے مضرات سے حفاظت کی جاسکے، چنانچہ حسب ذیل اُمور کا اہتمام کرنے سے نظر کی حفاظت بسہولت ہوسکے گی۔

۱۔ جس وقت مستورات کا گزر ہو، اہتمام سے نگاہ نیچی رکھنا خواہ کتنا ہی نفس کا تقاضا دیکھنے کا ہو۔

جیسا کہ اس پر عارف ہندی حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے اس طور پر تنبیہ فرمائی ہے۔

دین کا دیکھ ہے خطر، اُٹھنے نہ پائے ہاں نظر
کوئے بُتاں میں تو اگر جائے تو سر جھکائے جا

۲۔ اگر نگاہ اُٹھ جائے، کسی پر پڑ جائے تو فوراً نگاہ نیچی کرلینا، خواہ کتنی ہی گرانی ہو خواہ دم نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ یہ سوچنا کہ نگاہ کی حفاظت نہ کرنے سے دنیا میں ذلت کا اندیشہ ہے، طاعات کا نور سلب ہو جاتا ہے، آخرت کی تباہی یقینی ہے۔

۴۔ بدنگاہی پر کم از کم چار رکعت نفل پڑھنے کا اہتمام اور کچھ نہ کچھ حسب گنجائش خیرات اور کثرت سے استغفار کرنے کا معمول بنالینا چاہئے۔

۵۔ یہ سوچنا کہ بدنگاہی کی ظلمت سے قلب کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور یہ ظلمت بہت دیر میں دور ہوتی ہے، حتیٰ کہ جب تک بار بار نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے، باوجود تقاضے کے اس وقت تک قلب صاف نہیں ہوتا۔

۶۔ یہ سوچنا کہ بدنگاہی سے میلان، میلان سے محبت اور محبت سے عشق پیدا ہو جاتا ہے اور ناجائز عشق سے دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

۷۔ یہ سوچنا کہ بدنگاہی سے طاعات، ذکر، شغل سے رفتہ رفتہ رغبت کم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ترک کی نوبت آتی ہے پھر نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔

میرا دل صاف ہے، میری نظر پاک ہے

یہ جملہ کہنا عام طور سے شیطان کا دھوکہ ہوتا ہے

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ ...الخ" یہ بہترین اُمت تھی جو تمام کائنات کے لیے بھلائی پھیلانے اور برائی سے روکنے کے لیے پیدا کی گئی تھی، لیکن وہی اُمت آج خود ہی جرائم کی عادی ہو رہی ہے۔

تو نہیں ہے اس جہاں میں منہ چھپانے کے لیے
تو نمونہ بن کے آیا ہے زمانے کے لیے
تو نہیں ہے وقت غفلت میں گنوانے کے لیے
تو ہے دنیا بھر کے سوتوں کو جگانے کے لیے

ارشاد فرمایا کہ بے پردگی کے مفاسد کو اہل فتاویٰ سے پوچھئے۔ ایک عورت نے خط لکھا کہ میری بہن بے پردہ آتی جاتی تھی، میرے شوہر کا دل اس پر آیا، مجھے بھنگن کی طرح ذلیل رکھتا ہے، کوئی تعویذ دیجئے۔ بعض لوگ دل صاف اور نظر پاک یا نظر صاف اور دلِ پاک کا بہانہ کرتے ہیں، ان سے پوچھتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل اور ان کی نظر کے بارے میں کیا خیال ہے، کہنے لگے، ارے صاحب کیا کہنا ہے ان کا دل تو پاک اور نظر بھی پاک تھی۔ میں نے کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں حکم دیا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! پہلی اچانک نظر معاف ہے، مگر خبر دار دوسری نظر مت ڈالنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کی نظر اور آپ لوگوں کا دل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاف اور پاک ہے۔

دیکھئے اگر بجلی کا تار ننگا ہو اور پاور ہاؤس سے اس وقت بجلی نہ آ رہی ہو تو بھی اس کو عقلمند نہیں چھوتے، اور کہتے ہیں کہ ارے بھائی پاور ہاؤس سے بجلی آنے میں دیر تھوڑا ہی لگتی ہے۔ بس یہی حال نظر کا ہے، ابھی پاک ہے مگر اسی نامحرم سے جس سے نظر ابھی پاک ہے ذرا تنہائی ہوئی تو ناپاک ہونے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں لگتی۔ جنہوں نے اپنے نفس پر بھروسہ کیا عمر بھر کا تقویٰ اور دین ذرا سی دیر میں غارت ہو گیا۔

انگوٹھی پر تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں

مکرم ومحترم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ مجھے انگوٹھی کے بارے میں کچھ سوالات کرنے ہیں، برائے کرم تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

سوال انگوٹھی پر بعض مرتبہ ذکر اللہ یا حکمت کا کلام یا نام یا دیگر تعویذات مثلاً مقطعات قرآنیہ یا اور دیگر کلمات یا دُعائیں وغیرہ لکھنا اور پہننا درست ہے؟

جواب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی چاندی کی بنوائی اور اس پر محمد رسول اللہ نقش کرایا۔ (بخاری، صفحہ ۸۷۳)

ابوالشیخ کی ایک روایت بواسطہ انس رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ کی انگوٹھی پر لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کندہ تھا۔ (فتح الباری، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ انگوٹھی کے نگینہ پر ذکر اللہ وغیرہ کندہ کرانا درست ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ وتابعینؒ سے بھی انگوٹھیوں پر کندہ کرانا منقول ہے۔ دیکھئے:

۱۔ حضرت حذیفہ وحضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کی انگوٹھیوں پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

۲۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر بِسْمِ اللّٰہِ

۳۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ

۴۔ ابراہیم نخعیؒ کی انگوٹھی پر بِاللّٰہ لکھا ہوا تھا۔ (فتح الباری، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۸)

۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر نعم القادر اللّٰہ لکھا تھا۔ (طحاوی، صفحہ ۳۵۴)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو قاسم بن محمدؒ کی انگوٹھی پر نعم القادر اللّٰہ کندہ تھا۔

۷۔ ابن سیرین نے کہا کہ انگوٹھیوں پر حَسْبِیَ اللّٰہ کا نقش ہونے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

(جمع الوسائل، صفحہ ۱۸۴)

۸۔ حضور ﷺ کی انگوٹھی پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تھا

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا

۱۰۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر لَتَصْبِرَنَّ اَوْلَتَنْدَمَنَّ

۱۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ

۱۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی انگوٹھی پر قُلِ الْخَیْرَ وَاِلَّافَاسْکُتْ

۱۳۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کی انگوٹھی پر مَنْ عَمِلَ بِرَأْیِہٖ فَقَدْ نَدِمَ

۱۴۔ حضرت امام محمدؒ کی انگوٹھی پر مَنْ صَبَرَ ظَفَرَ

۱۵۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی انگوٹھی پر از گروہ اولیاء اشرف علی

(اشارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ انگوٹھی پر اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام کندہ کرانا اور پہننا جائز ہے۔ علامہ نووی نے بھی جمہور کا قول جواز کا لکھا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ کراہت استنجاء وغیرہ کی صورت میں بے احتیاطی سے ہوسکتی ہے۔ ورنہ کوئی کراہت نہیں۔ (جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۸) ویسے اس قسم کی انگوٹھیوں کو پاخانہ پیشاب سے پہلے اُتار لینا چاہئے جیسا کہ حدیث پاک میں آپ ﷺ سے منقول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض انگوٹھیوں پر جو تعویذات لکھے ہوتے ہیں جیسا کہ سوال مذکورہ

---

[1] البتہ ابن سیرین کا ایک قول نقش کی کراہت کا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری، جلد ۲۲، صفحہ ۳۴)

میں آپ نے بتایا (مقطعات قرآنیہ یا اور دیگر کلمات یا دُعائیں) تو ان کا پہننا درست ہے ان کو ممنوع قرار دینا مطلقاً درست نہیں نہ اس میں کوئی قباحت ہے، البتہ بے ادبی سے بچانا لازم ہے۔ (شمائل کبریٰ، جلد۲، صفحہ۱۵۲-۱۵۳)

سوال: پیتل اسٹیل اور لوہے کی انگوٹھی پہن سکتے ہیں کہ نہیں؟

جواب: مذکورہ آلات کی انگوٹھیاں پہننا ممنوع ہیں:

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا بات ہے میں تم میں بُت کی بُو پاتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اسے پھینک دیا۔ پھر آیا اور اس کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا بات ہے میں تم پر جہنمیوں کا زیور پاتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اسے بھی پھینک دیا اور پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندی کی بنواؤ، سونا نہ شامل کرنا۔ (ابوداؤد، صفحہ ۵۸۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو کراہت محسوس کی، اُنہوں نے اُتار دی۔ پھر اُنہوں نے لوہے کی انگوٹھی پہنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو اور زیادہ خبیث ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسے بھی اُتار دیا اور چاندی کی انگوٹھی پہنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ (عمدۃ القاری، جلد۲۲، صفحہ۳۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے نکال ڈالو۔ اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو اس سے زیادہ برا ہے۔ چنانچہ اس نے چاندی کی پہنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ (عمدۃ القاری، جلد۲۲، صفحہ۳۴)

فائدہ: قاضی خاں نے لکھا ہے کہ چاندی کے علاوہ کوئی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے۔ اسٹیل

اورلوہے کی انگوٹھی بھی مکروہ ہے۔ کہ یہ دوزخیوں کا پہناوا ہے۔ (جمع، صفحہ ۱۴۸)

بعض لوگ اسٹیل کی خوشنما انگوٹھی پہنتے ہیں۔ درست نہیں۔ چاندی کے علاوہ کی انگوٹھی مطلقاً ناجائز ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ پیتل، لوہا اور صاص (سیسہ دھات) سب مطلقاً حرام ہے۔ (جلد ۲۲، صفحہ ۳۷، شمائل کبری، جلد ۲، صفحہ ۱۵۱-۱۵۲)

سوال عقیق، یاقوت وغیرہ پتھروں کی انگوٹھیاں بنا کر پہن سکتے ہیں؟

جواب عقیق، یاقوت وغیرہ پتھر انگوٹھی میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ حلقہ تو چاندی کا ہو اور نگینہ پتھر کا۔

حضرت فاطمہؓ رسول پاک ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو عقیق کی انگوٹھی بنائے گا وہ ہمیشہ بھلائی پائے گا۔ (مجمع الزوائد، جلد ۵، صفحہ ۱۵۷، عن الطبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خاندانِ جعفر سے کوئی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا، آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، اے اللہ کے رسول آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے جو چپل یا جوتا اور انگوٹھی خرید دے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا، بازار چلے جاؤ، چپل خرید لو مگر کالا نہ ہو۔ انگوٹھی خرید لو جس کا نگینہ عقیق کا ہو۔ (مجمع، صفحہ ۱۵۸)

فائدہ: ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حفاظ نے حدیث مذکور کو غیر ثابت مانا ہے۔ جمع الوسائل میں ہے کہ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ زرد یاقوت کا نگینہ طاعون سے روکتا ہے۔ (صفحہ ۱۳۹)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ سے عقیق کی انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔ (صفحہ ۱۳۹)

شرعۃ الاسلام کے حوالہ سے ہے کہ چاندی اور عقیق کا نگینہ سنت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی پہنو، یہ مبارک پتھر ہے اس جیسا کوئی پتھر نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ حلقہ تو چاندی کا ہو اور نگینہ پتھر کا۔ (جمع الوسائل، صفحہ ۱۴۰)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس ایک انگوٹھی یاقوت پتھر کی تھی۔ قوتِ قلب کے لئے جس پر لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین لکھا تھا۔ (جلد۲۲، صفحہ۳۴)

پاخانہ جاتے وقت تعویذ والی انگوٹھی نکال لے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اُتار دیتے تھے۔ (نسائی، جلد۲، صفحہ۲۸۹، ابن حبان)

فائدہ: اگر انگوٹھی میں کچھ لکھا ہو تو بیت الخلاء سے قبل اسے اُتار دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں چونکہ کلمہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اس احترام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُتار دیتے تھے۔ (حاشیہ نسائی، صفحہ۲۸۹)

چودہ (۱۴) عیوب عام طور پر ماؤں بہنوں میں پائے جاتے ہیں جن سے بچنا بہت ضروری ہے

۱۔ ایک عیب یہ ہے کہ بات کا معقول جواب نہیں دیتیں جس سے پوچھنے والے کو تسلی ہو جائے بہت سی فضول باتیں اِدھر اُدھر کی اس میں ملا دیتی ہیں اور اصل بات پھر بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ جو شخص جو کچھ پوچھے اس کا مطلب خوب غور سے سمجھ لو پھر اس کا جواب ضرورت کے موافق دے دو۔

۲۔ ایک عیب یہ ہے کہ چاہے کسی چیز کی ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن پسند آنے کی دیر ہے ذرا پسند آئی اور لے لی، خواہ قرض ہی ہو جائے لیکن کچھ پرواہ نہیں اور اگر قرض بھی نہ ہوا تب بھی اپنے پیسے کو اس طرح بیکار کھونا کون سی عقل کی بات ہے۔ فضول خرچی گناہ بھی ہے جہاں خرچ کرنا ہو اوّل خوب سوچ لو یہاں خرچ کرنے میں کوئی دین کا فائدہ یا دنیا کی ضرورت بھی ہے اگر خوب سوچنے سے ضرورت اور فائدہ معلوم ہو تو

خرچ کرو نہیں تو پیسہ مت کھوؤ اور قرض تو جہاں تک ہو سکے ہر گز مت لو چاہے تھوڑی سی تکلیف بھی ہو جائے۔

۳۔ ایک عیب یہ ہے کہ جب کہیں جاتی ہیں خواہ شہر کے شہر میں یا سفر میں ٹالتے ٹالتے بہت دیر کر دیتی ہیں کہ وقت تنگ ہو جاتا ہے اگر سفر میں جانا ہے تو منزل پر دیر میں پہنچیں گی۔ اگر راستہ میں دیر ہوگئی تو جان و مال کا اندیشہ ہے، اگر گرمی کے دن ہوئے تو دھوپ میں خود بھی تپیں گی اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی، اگر برسات ہے اوّل تو برسنے کا ڈر، دوسرے گارے کیچڑ میں گاڑی کا چلنا مشکل اور دیر میں دیر ہو جاتی ہے اگر سویرے سے چلیں، ہر طرح کی گنجائش رہے اور اگر بستی ہی میں جانا ہوا جب بھی رکشہ کو کھڑے کھڑے پریشانی، پھر دیر میں سوار ہونے سے دیر میں لوٹنا ہوگا، اپنے کاموں میں حرج ہوگا کھانے کے انتظام میں دیر ہوگی کہیں جلدی میں کھانا بگڑ گیا کہیں میاں تقاضا کر رہے ہیں، کہیں بچے رو رہے ہیں، اگر جلدی سوار ہو جاتیں تو یہ مصیبتیں کیوں ہوتیں۔

بعض عورتوں کو آواز کے پردے کا بالکل اہتمام نہیں ہوتا حالانکہ آواز کا پردہ بھی واجب ہے جیسا، صورت کا پردہ ضروری ہے لہٰذا گنہگار ہوتی ہیں، ہر قسم کے پردے کا نہایت سخت اہتمام کرنا چاہئے۔

۴۔ ایک عیب یہ ہے کہ آپس میں دو عورتیں جو باتیں کرتی ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک کی بات ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری شروع کر دیتی ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ایک دم سے بولتی ہیں کہ وہ اپنی کہہ رہی ہے اور یہ اپنی ہانک رہی ہے نہ وہ اس کی سنے، نہ یہ اس کی، بھلا ایسی بات کرنے ہی سے کیا فائدہ ہمیشہ یاد رکھو کہ جب ایک کی بات ختم ہو جائے، اس وقت دوسری کو بولنا چاہئے۔

۵۔ ایک عیب یہ ہے کہ زیور اور کبھی روپیہ پیسہ بھی بے احتیاطی سے کبھی تکیہ کے نیچے رکھ دیا

کبھی کسی طاق میں کھلا رکھ دیا، کبھی غسل خانے میں رکھ دیا۔ تالا ہوتے ہوئے سستی کے مارے اس میں حفاظت سے نہیں رکھتیں، پھر کوئی چیز جاتی رہی تو سب کا نام لگاتی پھرتی ہیں۔

۶۔ ایک عیب یہ ہے کہ ان کو ایک کام کے واسطے بھیجو جا کر دوسرے کام میں لگ جاتی ہیں۔ جب دونوں سے فراغت ہو جائے تب لوٹتی ہیں، اس میں بھیجنے والے کو سخت تکلیف اور اُلجھن ہوتی ہے کیوں کہ اس نے تو ایک کام کا حساب لگا رکھا ہے کہ یہ اتنی دیر کا ہے جب اتنی دیر گزر جاتی ہے پھر اس کو پریشانی شروع ہوتی ہے اور عقلمند یہ کہتی ہے کہ آئے تو ہیں ہی لاؤ دوسرا کام بھی لگے ہاتھ کرتے چلیں۔ ایسا مت کرو اوّل پہلا کام کر کے اس کی فرمائش پوری کر دو پھر اپنے طور پر اطمینان سے دوسرا کام کرلو۔

۷۔ ایک عیب سستی کا ہے کہ ایک وقت کے کام کو دوسرے وقت پر اُٹھا رکھتی ہیں اس سے اکثر حرج اور نقصان ہو جاتا ہے۔

۸۔ ایک عیب یہ ہے کہ کوئی چیز کھو جائے تو بے تحقیق کسی پر تہمت لگا دیتی ہیں یعنی جس نے کبھی کوئی چیز چرائی تھی بے دھڑک کہہ دیا کہ بس جی اسی کا کام ہے حالانکہ یہ کیا ضروری ہے کہ سارے عیب ایک ہی آدمی نے کئے ہوں۔ اسی طرح اور بری باتوں میں ذرا سے شبہ سے ایسا پکا یقین کر کے اچھا خاصا گھڑ مڑھ دیتی ہیں۔

۹۔ ایک عیب یہ ہے کہ اپنی خطا یا غلطی کا کبھی اقرار نہ کریں گی جہاں تک ہو سکے بات کو بنائیں گی خواہ بن سکے یا نہ بن سکے۔

۱۰۔ ایک عیب یہ ہے کہ کہیں سے تھوڑی چیز اُن کے حصہ میں آئے یا ادنی درجہ کی چیز آئے تو اس پر ناک ماریں گی، طعنہ دیں گی کہ گھر گئی ایسی چیز بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، بھیجتے ہوئے شرم نہ آئی۔ یہ بری بات ہے کہ اس کی اتنی ہی ہمت تھی تمہارا تو اس نے کچھ

نہیں بگاڑا اور خاوند کے ساتھ بھی ان کی یہی عادت ہے کہ خوش ہو کر چیز کم لیتی ہیں اس کو رد کر کے عیب نکال کرتب قبول کرتی ہیں۔

۱۱۔ ایک عیب یہ ہے کہ ان سے کسی کام کو کہو اس میں جھک جھک کر لیں گی پھر اس کام کو کریں گی، بھلا جب وہ کام کرنا ہے پھر اس واہیات سے کیا فائدہ نکلا، ناحق دوسرے کا بھی جی بُرا کیا۔

۱۲۔ ایک عیب یہ ہے کہ آنے کے وقت اور چلنے کے وقت مل کر ضرور روتی ہیں چاہے رونا نہ بھی آئے مگر اس ڈر سے روتی ہیں کہ کوئی یوں نہ کہے کہ اس کو محبت نہیں۔

۱۳۔ ایک عیب یہ ہے کہ اکثر تکیہ میں یا ویسے ہی سوئی رکھ کر اُٹھ جاتی ہیں اور کوئی بے خبری میں آ بیٹھتا ہے، اس کے سوئی چبھ جاتی ہے۔

۱۴۔ ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو گرمی سردی سے نہیں بچاتیں، اس سے اکثر بچے بیمار ہو جاتے ہیں پھر تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہیں، دوا، علاج یا آئندہ کو احتیاط پھر بھی نہیں کرتیں۔

وضو کا بچا ہوا پانی اپنے بچے کے چہرے پر پھیرئے اور دُعا کیجئے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی، اس چھوٹے سے بندے ابو عامر کو درجہ میں قیامت کے دن اکثر لوگوں سے اوپر کر دینا۔

حضرت حسان بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں تا کہ آپ میرے اس بیٹے کے لئے دُعا کر دیں اور اسے بڑا اور اچھا بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو میرے چہرے پر پھیرا اور یہ دُعا مانگی۔ اے اللہ! اس

عورت کے لئے اس کے بیٹے میں برکت عطا فرما اور اسے بڑا اور عمدہ بنا۔

(حیاۃ الصحابہ، جلد۳، صفحہ ۳۸۲)

شادی گھر بسانے کے لئے کی جاتی ہے

گھریلو زندگی زوجین کے اتحاد سے ہی پُرسکون بنتی ہے

شادی گھر بسانے کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ توقعات وابستہ کرنے اور ضد پر اڑ جانے کے بجائے درگزر اور ایثار کا رویہ اپنائیں تو گھر خوشیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

انسان کی بقا کے لئے قانونِ فطرت مسلسل مصروفِ عمل ہے۔ اس کی بنیاد ''محبت'' جیسے پاکیزہ جذبے پر رکھی گئی ہے کہ کسی بھی گھر کو برائیوں سے پاک رکھنے کے لئے محبت جیسے پرخلوص جذبے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ دین اسلام میں دلوں کو آپس میں جوڑنے اور باہمی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے شادی جیسا مقدس بندھن موجود ہے۔ شادی ایک ایسا مذہبی فریضہ ہے جس کے سبب ایک صحیح مکمل خاندان، گھر اور معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

یوں بھی زندگی ایک سفر کے مانند ہے اور میاں بیوی اس سفر کے ایسے ساتھی ہیں جس کا راستہ بھی ایک ہے اور منزل بھی ایک، اگر ان کے درمیان مکمل ذہنی ہم آہنگی اور جذبۂ محبت موجود ہو تو یہ سفر نہایت آرام اور سکون سے کٹ سکتا ہے، ویسے جب دو روحیں نکاح جیسے پاک بندھن میں بندھتی ہیں تو پھر ان کی یکجائی خاندان کی اکائی کو جنم دیتی ہے، یہی اکائی آگے جا کر بہتر گھر اور صالح معاشرے کی صورت میں ڈھلتی ہے۔ گویا بہترین گھر اور صالح معاشرے کی تعمیر کے لئے خاندان کی اکائی کی مضبوطی اور خوبصورتی نہایت ضروری ہے۔ یوں سمجھئے پرسکون گھر اور معاشرہ پرسکون ازدواجی زندگی سے مشروط ہے۔ بظاہر تو کوئی بھی

لڑکی نئے گھر کی بنیاد اس لئے نہیں رکھتی کہ اُسے آباد نہ کیا جائے، گھر کا ماحول خوشگوار نہ ہو، مگر بعض اوقات حالات موافقت نہیں رکھتے۔ بہت کچھ توقعات کے خلاف ہو جاتا ہے تو زندگی کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ایسا ہونا درست نہیں، یہ طے ہے کہ مردوں کی بہ نسبت خواتین کو زیادہ قربانیاں اور خدمات پیش کرنی پڑتی ہیں لیکن عورت کی قربانی اور ایثار سے ایک خوبصورت گھر اور معاشرہ تخلیق پاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اعزاز کیا ہوگا۔ ذیل میں گھر اور بہترین معاشرے کی تشکیل کے لئے چند باتیں درج کی گئی ہیں جو عام سی ہونے کے باوجود بے حد اہم ہیں اور خوشگوار ازدواجی زندگی کی کنجی ہیں۔

۱۔ دن بھر کا تھکا ہارا شوہر جب گھر میں داخل ہو تو اس کا استقبال ایک بھرپور مسکراہٹ اور سلام سے کریں، اس طرح وہ ساری تھکن بھول کر اپنے آپ کو ایک دم تروتازہ محسوس کرے گا۔ کوشش کریں کہ شوہر کی آمد سے قبل گھر کی صفائی اور لباس صاف ستھرا پہن کر ہلکا پھلکا تیار ہوں اور بچوں کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ اس طرح گھر کے ماحول میں خوشگواری رچی بسی رہے گی۔

۲۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کریں، اگر شوہر کی آمدنی کم ہو تو اس بات کا طعنہ کبھی نہ دیں، بلکہ ایسے مرحلے میں ان کا ساتھ دیں۔ ایسے حالات میں کفایت شعاری سے کام لیں، ناشکری نہ کریں۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ عورتوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے دوزخ میں سب سے زیادہ عورتوں کو دیکھا ہے۔ وجہ پوچھنے پر بتایا، شوہروں کی نافرمانی اور ناشکری کی وجہ سے۔

۳۔ اپنے غصے کو قابو میں رکھیں، کیونکہ زیادہ تر اختلافات غصہ کی وجہ سے ہوتے ہیں اگر شوہر غصہ میں ہو تو خاموش رہیں۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد اُنہیں اپنی بات نہایت ہی شیریں لہجہ میں سمجھائیں تاکہ وہ آپ کے موقف کو اچھی طرح سمجھ سکے، اس طرح بات کبھی نہیں بڑھے گی۔ البتہ شوہر کے دل میں آپ کی اہمیت اور عزت مزید

بڑھ جائے گی۔

۴۔ آپ سسرالی رشتہ داروں کے متعلق کوئی بات اپنے میکہ میں نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح دونوں خاندانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اپنے سسر، ساس، نند، جیٹھ اور دیور کی عزت دل سے کریں۔ انہیں اس طرح سمجھیں جیسے میکے میں والدین اور بہن بھائیوں کو سمجھتی تھیں، معمولی باتوں کو دل پر نہ لیں بلکہ یہ سوچ کر خود کو ذہنی طور پر مطمئن کریں کہ جب شادی سے پہلے بھی کبھی والدین کسی بات پر ڈانٹ دیتے تھے یا بہن بھائیوں سے کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تھا تو ہم ایک دوسرے کو جلدی سے منالیا کرتے تھے۔ میکے کی طرح اگر سسرال میں بھی یہی سوچ اور رویہ رکھیں گی تو یقیناً ذہنی طور پر مطمئن رہیں گی جس سے آپ کی طبیعت اور مزاج پر بھی بہت اثر پڑے گا۔

۵۔ کوشش کیجئے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں باہر نہ نکلیں۔ کیونکہ اس طرح تعلقات میں بھی اعتماد کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ بہتر ہے کہ ایک دوسرے کو ہر بات سے آگاہ رکھا جائے تاکہ رشتے میں مضبوطی اور اعتماد پیدا ہو۔

جس طرح بیویوں کے لئے کچھ باتیں اہم ہیں اسی طرح شوہروں کو بھی چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱۔ ماں، بہن اور بیوی کا احترام کریں، کسی ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کو بے عزت کبھی نہ کریں، بلکہ پوری بات جان کر انصاف کریں اور ہر حال میں احتیاط کا دامن تھامے رہیں۔

۲۔ بیوی کی خدمات کو سراہیں، اس کے کاموں کی تعریف کریں، ہر وقت نقص نہ نکالیں، بلکہ غلطی ہو جانے پر اسے اطمینان سے سمجھائیں کہ پیار سے تو سنگ دل بھی رام کیا جا

سکتا ہے۔

۳۔ اپنے لہجے کو شیریں بنائیں، آپ کا شیریں لہجہ بیوی کے دل میں آپ کے لئے محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

۴۔ بیوی پر بلا وجہ تنقید نہ کریں، ہر معاملے میں خود کو اس سے بہتر تصور نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ باتوں کی سمجھ اسے آپ سے بہتر ہو۔ اس سے ہر بات شیئر کریں، کیونکہ بیوی آپ کی شریک حیات ہی نہیں اچھی دوست بھی ہوتی ہے۔ آپ کے ہر سکھ دُکھ کی ساتھی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی بیوی کی قدر کیجئے اور اسے ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھئے، ایک دوسرے سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لی جائیں تو عمر گزر جاتی ہے توقعات پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے زیادہ نہیں چند ایک چھوٹی چھوٹی باتوں ہی کا خیال رکھ لیا جائے تو چھوٹا سا گھر ہنستی مسکراتی، جیتی جاگتی جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔

خط کی ابتدا ۷۸۶ سے مت کیجئے

۱۔ خط کی ابتدا ہمیشہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے کیجئے، اختصار کرنا چاہیں تو باسمہٖ تعالیٰ لکھئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کام کے شروع میں بسم اللہ نہیں کی جاتی وہ ادھورا اور بے برکت رہتا ہے۔ بعض لوگ الفاظ کے بجائے ۷۸۶ لکھتے ہیں، اُس سے پرہیز کیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تلقین کئے ہوئے الفاظ میں بھی برکت ہے۔

۲۔ اپنا پتہ ہر خط میں ضرور لکھئے۔ یہ سوچ کر پتہ لکھنے میں ہرگز سستی نہ کیجئے کہ آپ مکتوب الیہ کو اپنا پتہ اس سے پہلے لکھ چکے ہیں یا اس کو یاد ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کا پتہ مکتوب الیہ کے پاس محفوظ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مکتوب الیہ کو آپ کا پتہ یاد ہی ہو۔

۳۔ اپنا پتہ دائیں جانب ذرا سا حاشیہ چھوڑ کر لکھئے۔ پتہ ہمیشہ صاف اور خوشخط لکھئے اور

پتے کی صحت اور املا کی طرف سے ضرور اطمینان کر لیجئے۔

۴۔ اپنے پتے کے نیچے یا بائیں جانب سرنوشت پر تاریخ ضرور لکھ دیا کیجئے۔

۵۔ تاریخ لکھنے کے بعد مختصر القاب و آداب کے ذریعے مکتوب الیہ کو مخاطب کیجئے۔ القاب و آداب ہمیشہ مختصر اور سادہ لکھئے، جس سے خلوص و قربت محسوس ہو، ایسے القاب سے پرہیز کیجئے جن سے تصنع اور بناوٹ محسوس ہو۔ القاب و آداب کے ساتھ ہی یا القاب کے نیچے دوسری سطر میں سلام مسنون یا السلام علیکم لکھئے، آداب، تسلیمات وغیرہ الفاظ نہ لکھئے۔

۶۔ غیر مسلم کو خط لکھ رہے ہوں تو السلام علیکم یا سلام مسنون لکھنے کے بجائے آداب و تسلیمات وغیرہ جیسے الفاظ لکھئے۔

۷۔ القاب و آداب کے بعد اپنا وہ اصل مطلب و مدعا لکھئے جس غرض سے آپ خط لکھنا چاہتے ہیں۔ مطلب اور مدعا کے بعد مکتوب الیہ سے اپنا تعلق ظاہر کرنے والے الفاظ کے ساتھ اپنا نام لکھ کر خط کو ختم کیجئے۔ مثلاً آپ کا خادم، دُعا کا طالب، خیر اندیش، دُعا گو، اللہ کی رضا کا طالب وغیرہ وغیرہ۔

۸۔ خط نہایت صاف، سادہ اور خوشخط لکھئے کہ آسانی سے پڑھا اور سمجھا جا سکے اور مکتوب الیہ کے دل میں اس کی وقعت ہو۔

۹۔ خط میں نہایت شستہ، آسان اور سلجھی ہوئی زبان استعمال کیجئے۔

۱۰۔ خط مختصر لکھئے اور ہر بات کھول کر وضاحت سے لکھئے، محض اشاروں سے کام نہ لیجئے۔

۱۱۔ پورے خط میں القاب و آداب سے لے کر خاتمہ تک مکتوب الیہ کے مرتبہ کا لحاظ رکھئے۔

۱۲۔ نیا پیراگراف شروع کرتے وقت لفظ کی جگہ چھوڑ دیجئے۔

۱۳۔ خط میں ہمیشہ سنجیدہ انداز رکھئے، غیر سنجیدہ باتوں سے پرہیز کیجئے۔

۱۴۔ خط کبھی غصہ میں نہ لکھئے اور نہ کوئی سخت، سست بات لکھئے۔ خط ہمیشہ نرم لہجہ میں لکھئے۔

۱۵۔ عام خط میں کوئی راز کی بات نہ لکھئے۔

۱۶۔ جملے کے آخر میں ڈیش (-) ضرور لگایئے۔

۱۷۔ کسی کا مکتوب بغیر اجازت ہرگز نہ پڑھئے۔ یہ زبردست اخلاقی خیانت ہے، البتہ گھر کے بزرگوں اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ چھوٹوں کے خطوط پڑھ کر ان کی تربیت فرمائیں، اور انہیں مناسب مشورے دیں۔ لڑکیوں کے خطوط پر خصوصی نظر رکھنی چاہیئے۔

۱۸۔ رشتہ داروں اور دوستوں کو خیر و عافیت کے خطوط برابر لکھتے رہیئے۔

۱۹۔ کوئی بیمار ہو جائے، خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جائے یا کسی اور مصیبت میں کوئی پھنس جائے تو اس کو ہمدردی کا خط ضرور لکھئے۔

۲۰۔ کسی کے یہاں کوئی تقریب ہو، کوئی عزیز آیا ہو، یا خوشی کا کوئی اور موقع ہو تو مبارکباد کا خط ضرور لکھئے۔

۲۱۔ خطوط ہمیشہ نیلی یا سیاہ روشنائی سے لکھیں، پنسل یا سرخ روشنائی سے ہرگز نہ لکھئے۔

۲۲۔ کوئی شخص ڈاک میں ڈالنے کے لے خط دے تو نہایت ذمہ داری کے ساتھ بروقت ضرور ڈال دیا کیجئے، لاپرواہی اور تاخیر ہرگز نہ کیجئے۔

۲۳۔ غیر متعلق لوگوں کو جواب طلب باتوں کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیج دیا کیجئے۔

۲۴۔ لکھ کر کاٹنا چاہیں تو ہلکے ہاتھ سے اس پر خط کھینچ دیا کیجئے۔

۲۵۔ خط میں صرف اپنی دلچسپی اور اپنے ہی مطلب کی باتیں نہ لکھئے۔ بلکہ مخاطب کے

جذبات واحساسات اور دلچسپیوں کا بھی خیال رکھئے۔صرف اپنے ہی متعلقین کی خیرو عافیت نہ بتایئے بلکہ مخاطب کے متعلقین کی خیر و عافیت بھی معلوم کیجئے اور یاد رکھئے: خطوط میں بھی کسی سے زیادہ مطالبے نہ کیجئے، زیادہ مطالبے کرنے سے آدمی کی وقعت نہیں رہتی۔آج کل موبائل اور فون کی سہولتوں کی وجہ سے خط و کتابت میں کافی کمی آئی ہے ایسا نہ کیجئے بلکہ خط و کتابت کی عادت رکھئے۔

مجنوں کو مجنوں کیوں کہا گیا؟

انسان میں شہوانی محبت جنون کی حد تک پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ اس محبت میں پاگل ہو جاتا ہے۔عرب میں قیس نامی ایک آدمی تھا۔اس کو کسی خاتون سے تعلق ہو گیا۔اگرچہ وہ خاتون رات کی طرح کالی تھی اور اس کے ماں باپ نے بھی اس کا نام لیلیٰ رکھ دیا تھا لیکن قیس اس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا۔سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپس میں صلح ہوئی۔حدیث پاک میں بھی ان دونوں کے لئے فرمایا گیا۔فئتین عظیمتین۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔اگلے دن سیدنا حسن جا رہے تھے کہ راستہ میں ان کو قیس مل گیا۔اس کو سلام کیا، پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، قیس! یہ میں نے اچھا کیا ہے ناں کہ میں نے حکومت انہی کے سپرد کر دی ہے جو اس کے زیادہ اہل تھے۔قیس خاموش رہا۔ اُنہوں نے پھر پوچھا۔قیس! تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ قیس کہنے لگا، جی سچی بات تو یہ ہے کہ حکومت لیلیٰ کو سجتی ہے۔یہ سن کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انت مجنون (تو پاگل ہے) اس وقت سے اس کا نام مجنوں پڑ گیا۔اس کا یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ اس کے اصل نام سے بہت لوگ ناواقف ہیں۔مجنوں کے والد نے ایک مرتبہ اسے کہا کہ تیری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوتی ہے۔چل تجھے بیت اللہ شریف لے جاتا ہوں اور وہاں جا کر اس تعلق سے توبہ

کراتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے والد کے ساتھ مقامِ ابراہیم پر پہنچ گیا۔ وہاں کھڑے ہوکر اس کے والد نے اس سے کہا کہ اب دُعا کرو کہ اے اللہ! میں لیلیٰ کی محبت سے توبہ کرتا ہوں۔ اس نے والد کے کہنے پر ہاتھ تو اُٹھا لئے مگر دُعا کرتے ہوئے کہنے لگا:

اِلٰهِیْ تُبْتُ مِنْ كُلِّ الْمَعَاصِیْ ☆ وَلٰكِنْ حُبَّ لَيْلٰى لَآ اَتُوْبُ

(اے اللہ! میں سب گناہوں سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا ہوں)

ایک آدمی نے سوچا کہ لیلیٰ کا بڑا نام سنا ہے، ذرا دیکھوں تو سہی کہ وہ حور پری کون سی ہے۔ جس کی مجنوں کے ساتھ اتنی باتیں مشہور ہیں۔ اس نے دیکھا تو وہ عام عورتوں سے بھی گئی گزری تھی۔ لہٰذا اس نے دیکھتے ہی اس سے کہا:

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

(اے خاتون! کیا بات ہے کہ تو دوسری حسین عورتوں سے بڑھی ہوئی تو نہیں ہے)

وہ کہنے لگی؟ گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

(اس نے کہا تو چپ ہو جا کیونکہ تو مجنوں نہیں ہے) یعنی اگر تو مجھے مجنوں کی نظر سے دیکھے گا تو ساری دنیا کی حسین عورتوں سے زیادہ میں تجھے حسین نظر آؤں گی۔ ایسی محبت کو محبت نہیں کہتے بلکہ پاگل پن کہتے ہیں۔ ایک دفعہ مجنوں کتے کو بیٹھا چوم رہا تھا، کسی نے کہا، ارے مجنوں! تو کتے کو چوم رہا ہے۔ کہنے لگا، ہاں میں اسے اس لئے چوم رہا ہوں کہ یہ اُس دیار سے ہو کر آیا ہے، جہاں لیلیٰ رہتی ہے۔

شیطان کے چھ ہتھیار

شیطان مختلف طریقوں سے فتنہ میں ڈالتا ہے۔ (۱) علماء نے لکھا ہے کہ یہ سب سے

پہلے انسان کو طاعات سے روکتا ہے۔یعنی انسان کے دل سے طاعات کی اہمیت نکال دیتا ہے جس کی وجہ سے بندہ کہتا ہے کہ اچھا، میں نماز پڑھ لوں گا، حالانکہ دل میں پڑھنے کی نیت نہیں ہوتی۔(۲) اگر انسان شیطان کے کہنے سے بھی نیکی سے نہ رکے اور وہ نیت کر لے کہ مجھے یہ نیکی کرنی ہے تو پھر وہ دوسرا ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ وہ اس نیک کام کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔مثلاً کسی کے دل میں یہ بات آئی کہ میں توبہ کر لیتا ہوں تو یہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ اچھا، پھر کل سے توبہ کر لینا، کسی کے دل میں یہ بات آئی کہ میں نماز پڑھوں گا تو کہتا ہے کہ کل سے نماز شروع کر دینا۔یوں شیطان اسے نیکی کے کام سے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے اور یاد رکھیں کہ جو کام ٹال دیا جاتا ہے وہ کام ٹل جایا کرتا ہے۔(۳) اگر کوئی بندہ شیطان کے اُکسانے پر بھی نیک کام کرنے سے نہ ٹلے اور وہ کہے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے تو پھر وہ دل میں ڈالتا ہے کہ جلدی کر لو۔مثلاً کسی جگہ پر کھانا بھی کھانا ہو اور نماز بھی پڑھنی ہو تو دل میں ڈالتا ہے کہ جلدی سے نماز پڑھ لے پھر کھانا کھانا۔نہیں بھئی نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بھئی! جلدی جلدی کھانا کھالو، پھر تسلی سے نماز پڑھ لیں گے۔(۴) اگر کوئی آدمی جلدی میں کوئی نیک کام کر لیتا ہے تو پھر وہ اس میں ریار کرواتا ہے اور یوں وہ ریا کے ذریعے اس کے کئے ہوئے عمل کو برباد کرواتا ہے۔وہ دل میں سوچنے لگتا ہے کہ ذرا دوسرے بھی دیکھ لیں کہ میں کیسا نیک عمل کر رہا ہوں۔(۵) اگر اس میں کام کرتے وقت ریار پیدا نہ ہو تو وہ اس کے دل میں عجب ڈالتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں۔مثلاً یہ کہتا ہے کہ میں تو پھر بھی نماز پڑھ لیتا ہوں لیکن فلاں تو نماز ہی نہیں پڑھتا۔وہ سمجھتا ہے کہ میں تو آخر پڑھا لکھا ہوں، حافظ ہوں، قاری ہوں، عالم ہوں، اور میں نے اتنے حج کئے ہیں۔جب اس طرح اس میں تکبر آ جاتا ہے تو یہی عجب اس کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔(۶) اگر اس کے دل میں عجب بھی پیدا نہ ہو تو وہ آخری حربہ یہ استعمال کرتا ہے کہ وہ اس کے دل میں شہرت کی تمنا پیدا کر دیتا ہے۔وہ زبان سے شہرت پسندی کی باتیں نہیں

کرے گا بلکہ اس کے دل میں یہ بات ہوگی کہ لوگ میری تعریفیں کریں اور جب لوگ اس کی تعریف کریں گے تو وہ خوش ہوگا۔ شیطان ان چھ ہتھکنڈوں سے انسان کے نیک اعمال برباد کر دیتا ہے۔

پانچ چیزوں میں جلد بازی جائز ہے

(۱) جب لڑکی جوان ہو جائے تو جتنی جلدی اس کا رشتہ مل سکے اتنا اچھا ہے، جب مل جائے تو پھر اس کی شادی میں جلدی کرنی چاہئے۔ (۲) اگر کسی کے ذمہ قرض ہو تو اس قرض کو ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ (۳) جب کوئی بندہ فوت ہو جائے تو اس مرحوم کو دفن کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ (۴) جب کوئی مہمان آ جائے تو اس کی مہمان نوازی میں جلدی کرنی چاہئے۔ ہم نے وسط ایشیا کی ریاستوں میں دیکھا ہے کہ جیسے ہی مہمان گھر میں آتا ہے تو وہ فوراً کم از کم پانی تو ضرور ہی مہمان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد مشروبات اور کھانے پیش کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ پانی پلانا بھی مہمان نوازی میں شامل ہے لہٰذا جس نے مہمان کے سامنے پانی کا کٹورا بھر کر رکھ دیا اس نے گویا مہمان نوازی کر لی۔ (۵) جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

تہجد کے لئے توفیق کی دُعا

جب یہ اُمت راتوں کو رویا کرتی تھی تو دن کو ہنسا کرتی تھی

ایک نکتہ ذہن میں رکھ لیجئے کہ اگر آپ تھکے ہوئے ہیں۔ نیند غالب ہے اور اُٹھ نہیں سکتے، تو کئی مرتبہ انسان کی رات میں آنکھ کھلتی ہے۔ کسی تقاضے کی وجہ سے کروٹ لیتے ہوئے آنکھ ضرور کھلتی ہے۔ جن حضرات کو تہجد کی توفیق نہیں ملتی وہ جب کروٹ لینے کے لئے

بیدار ہوں تو اس ایک لمحہ میں اللہ رب العزت سے تہجد کی توفیق کی دُعا ضرور مانگ لیا کریں۔ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس کا آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس لمحے کی مانگی ہوئی دُعا بھی آپ کو اللہ رب العزت کا مقبول بنا دے گی۔ ہمارے مشائخ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو عورتیں فجر کی اذان سے پہلے اُٹھ کر گھروں کو صاف کرتی ہیں یا چائے بنا لیتی ہیں وہ بھی اللہ کی رحمت سے فائدہ پالیتی ہیں۔

لفظ ''جناب'' کسی زمانے میں گالی ہوتی تھی

اُردو زبان کے کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ ان کا ہر ہر حرف بڑا بامعنٰی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ پر کچھ انگریزی خواں لوگ تھے۔ وہ دینی طلبہ کو بہت تنگ کرتے تھے۔ وہ عربی مدارس کے طلبار کو کبھی قربانی کا مینڈھا کہتے، کبھی کچھ کہتے، کبھی کچھ کہتے۔ ایک دن وہ سب طلبہ مل بیٹھے اور کہنے لگے کہ انگریزی خواں لوگوں کے لئے کوئی ایسا لفظ بنائیں جس میں ان کی ساری صفات آجائیں۔ اُنہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان میں ہوتا کیا ہے۔ ایک نے کہا کہ ان میں بڑی جہالت ہوتی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یہ لوگ بڑے نالائق ہوتے ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ یہ بڑے احمق ہوتے ہیں۔ چوتھے نے کہا کہ یہ تو بڑے بے وقوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے کہا کہ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، ہم ان چاروں الفاظ کے پہلے حرف کو لے کر ایک لفظ بناتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک لفظ بنایا ''جناب''۔ ج سے جاہل، ن سے نالائق، الف سے احمق، ب سے بے وقوف۔ اس کے بعد اُنہوں نے ہر انگریزی خواں کو جناب کہنا شروع کر دیا۔ یہ لفظ ایسا مشہور ہوا کہ آج کسی کو پتہ ہی نہیں کہ یہ بنا کیسے تھا۔ سب ایک دوسرے کو جناب کہتے پھرتے ہیں۔ آج عرف عام میں جناب بمعنٰی بارگاہ ہے جیسا کہ حضرت بمعنی بارگاہ ہے۔ جناب اور حضرت یہ دونوں الفاظ اعزازی بن گئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج کل انگریزی پڑھے لکھے بھی خوب

دینداری میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ (خطباتِ فقیر، جلد ۹، صفحہ ۱۹)

ایک عورت کا دل ٹوٹا، روئی، سوئی آپ ﷺ کی زیارت ہو گئی

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک خاتون نہایت ہی پاک دامن اور نیک تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔ وہ درود شریف بھی بہت پڑھتی تھی لیکن زیارت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے خاوند بڑے اللہ والے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے اپنے خاوند سے اپنی یہی تمنا ظاہر کی کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہو، لیکن کبھی یہ شرف نصیب نہیں ہوا، اس لئے آپ مجھے کوئی عمل ہی بتا دیں جس کے کرنے سے میں خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کر لوں۔ اُنہوں نے کہا کہ میں آپ کو عمل تو بتاؤں گا لیکن آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔ وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے جو بات کہیں گے میں وہ مانوں گی۔ وہ کہنے لگے کہ اچھا تم بن سنور کر دلہن کی طرح تیار ہو جاؤ۔ اس نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ اس نے غسل کیا، دلہن والے کپڑے پہنے، زیور پہنے اور دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھ گئی، جب وہ دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھ گئی تو وہ صاحب ان کے بھائی کے گھر چلے گئے اور جا کر اس سے کہا کہ دیکھو، میری کتنی عمر ہو چکی ہے اور اپنی بہن کو دیکھو کہ وہ کیا بن کر بیٹھی ہوئی ہے۔ جب بھائی گھر آیا، اور اس نے اپنی بہن کو دلہن کے کپڑوں میں دیکھا تو اس نے اُسے ڈانٹنا شروع کیا کہ تم کو شرم نہیں آتی، کیا یہ عمر دلہن بننے کی ہے، تمہارے بال سفید ہو چکے ہیں، تمہاری کمر سیدھی نہیں ہوتی، اور بیس سال کی لڑکی بن کر بیٹھی ہوئی ہو۔ اب جب بھائی نے ڈانٹ پلائی تو اس کا دل ٹوٹا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ روتے روتے سو گئی، اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ رب العزت نے اسے اسی نیند میں اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کروا دی۔ وہ زیارت کرنے کے بعد بڑی خوش ہوئی، لیکن خاوند سے پوچھنے لگی کہ آپ نے وہ عمل بتایا ہی نہیں جو آپ نے کہا تھا اور

مجھے زیارت تو ویسے ہی ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے، اللہ کی بندی! یہی عمل تھا، کیونکہ میں نے تیری زندگی پر غور کیا، مجھے تیرے اندر ہر نیکی نظر آئی، تیری زندگی شریعت وسنت کے مطابق نظر آئی، البتہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میں چونکہ آپ سے پیار محبت کی زندگی گزارتا ہوں اس لئے آپ کا دل کبھی نہیں ٹوٹا، اس وجہ سے میں نے سوچا کہ جب آپ کا دل ٹوٹے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترے گی اور آپ کی تمنا کو پورا کر دیا جائے گا۔ اسی لئے تو میں نے ایک طرف آپ کو دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھنے کو کہا اور دوسری طرف آپ کے بھائی کو بلا کر لے آیا، اس نے آکر آپ کو ڈانٹ پلائی جس کی وجہ سے آپ کا دل ٹوٹا اور اللہ رب العزت کی ایسی رحمت اُتری کہ اس نے آپ کو اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کروادی۔ اللہ اکبر

منتخب اشعار

دل کی محرابوں پہ لکھی ہیں وفا کی آیتیں
دیکھتے تو ہیں بظاہر ان کو پڑھتا کون ہے

محبت کے مسافر کی مہک صدیوں نہیں جاتی
یہاں سے کون گزرا ہے یہ رستہ بول دیتا ہے

کشاں کشاں وہ میرے دل پہ چھائے جاتے ہیں
بھلا رہا ہوں مگر یاد آئے جاتے ہیں

چراغوں کو لہو دینا پڑے گا
اندھیروں کی حکومت ہو رہی ہے

مجھ میں برائیاں تو برابر تلاش کر
لیکن کمی کچھ اپنے بھی اندر تلاش کر

انہیں کیا خوف طوفانوں کا ہوگا
جو طوفانوں میں پالے جا رہے ہیں

ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ

میرا کفن وہ دے جس نے حکومتِ عثمانی میں نوکری نہ کی ہو

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جنگل میں رہتے تھے، موت کا وقت آ گیا، ان دنوں وہاں کوئی نہیں تھا، صرف حج کے دنوں میں عراق کے حاجی وہاں سے جاتے تھے، اس وقت حج کا موسم نہیں تھا، ان کی صرف ایک بیوی اور ایک بیٹی تھی، اب ان کو کفن دفن کون کرے گا، غسل کون دے گا، جنازہ کون پڑھے گا، قبر کون کھودے گا؟ بیوی کہنے لگی کہ اب کیا بنے گا ہمارا، تمہارا مسئلہ یہ ہوگیا، ہم کیا کریں؟ تو کہنے لگے مَا کَذَبْتُ مَا کُذِبْتُ۔ نہ تم سے جھوٹ کہوں گا، نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ میں ایک محفل میں بیٹھا تھا، میرے آقا نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی ایسا ہے، اکیلا مرے گا، اکیلا اُٹھے گا، جنازہ مسلمانوں کی ایک جماعت پڑھے گی، جتنے آدمی اس محفل میں تھے، وہ سارے مر گئے، شہروں میں، میں اکیلا بچ گیا ہوں جنگل میں، معلوم نہیں کون آئے گا، کہاں سے آئے گا، اور خبر سچی ہے، لہٰذا غم نہ کرو، میرا جنازہ پڑھنے کوئی آئے گا۔ یہ تقویٰ کی ایسی نشانی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا علم ان کے دلوں میں اُترا ہوا تھا، دیکھو بمبئی کے بازار والوں سے پوچھو کہ اللہ کا دین کیا کہتا ہے؟ اس تجارت میں تمہیں پتہ ہے؟ کس طریقہ سے یہ کاروبار چلایا جائے گا کہ اللہ اور اس کا حبیب ناراض نہ ہو جائے، کوئی نہیں بتا سکتا، اسی طرح زمینداروں سے پوچھ لو، تو بھائی! کس طرح زمینداری کرنی ہے؟ کہ اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے اور ناراض نہ ہو، جو سارے تاجر کر رہے ہیں وہ یہ بھی کر رہا ہے، یہ جھوٹ بول رہا ہے، اور وہ بھی جھوٹ بول رہے ہیں، وہ سود پہ چل رہا ہے، یہ بھی سود پر چل رہے ہیں، لیکن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ایک دن گزر گیا،

دوسرا دن گزر گیا، تیسرے دن ان پر موت کے آثار آ گئے، بیٹی کو بلایا کہ بیٹی، آج مہمان ضرور آئیں گے میرے جنازے میں! روٹی پکاؤ تاکہ مہمانوں کی خدمت میں کمی نہ آئے، میں ضرور مر جاؤں گا، ان کو کھانا پکانے میں لگا دیا اور بیوی سے کہا کہ تو جا راستہ میں بیٹھ، کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا، وہ جا کے بیٹھ گئیں راستے میں، اللہ اکبر! کافی عرصہ گزر گیا، اُمید نا اُمیدی میں بدل گئی کہ اچانک عراق کی سڑک سے غبار اُٹھتا ہوا نظر آیا، جب غبار کا پردہ پھٹا تو بیس (۲۰) اونٹنیوں کے سوار نمودار ہوئے۔ ان کی بیوی نے سامنے سے کھڑے ہو کر اشارہ کیا، جب اُنہوں نے عورت کو جنگل اور تنہائی میں دیکھا تو اپنی سواریاں موڑ لیں، تو اس عورت نے کہا کہ ایک اللہ کا بندہ مر رہا ہے، اس کا جنازہ پڑھ لو تو تمہیں اجر ملے گا، انہوں نے کہا کہ وہ کون ہے؟ کہا کہ اللہ کے حبیب کا ساتھی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہے۔ سارے یک دم رونے لگے اور کہا، ہمارے ماں باپ ابوذر رضی اللہ عنہ پر قربان۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ۱۹ ساتھی۔ غیبی نظام کیسے چلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج پر پہنچے ہوئے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کوئی چیز تھی، تو ان سے کہلوا بھیجا کہ بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور کھڑے ہو تو چل پڑو، ہر حال میں مکہ آ کر مجھ سے ملو، تم سے مشورہ کرنا ہے، حج ملے یا نہ ملے اس کی فکر نہ کرو، لیکن فوراً مکہ پہنچ جاؤ۔ ظاہری سبب تو یہ بنا لیکن اندر کا سبب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ بنا کہ ان کا جنازہ کون آ کے پڑھے گا؟ ان حضرات نے عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا، تو یہ حضرات سواریوں سے اُترے اور دوڑتے ہوئے آئے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان میں ہیں۔ پہلے ہی پتہ تھا کہ کوئی آئے گا، لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ تقویٰ کے اتنے بڑے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں، جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی نوکری کی ہو وہ مجھے نہ کفن دے۔ ان ۱۹ میں سے ہر ایک نے حکومت میں ملازمت کی تھی، البتہ ان میں سے ایک نوجوان کھڑے ہوئے کہ میں نے آج تک حکومت کی نوکری نہیں کی ہے اور یہ احرام بھی میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، کہا بس ٹھیک ہے تو میرا سارا انتظام کرے گا۔ پھر

ان کا انتقال ہوگیا، یہ سارے ان کو دفن کر کے چلنے لگے، بیٹی نے کہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ اے چچا کھانا تیار ہے۔ کہا یہ کھانا پہلے سے کیسے تیار ہوگیا۔ کہا میرے بابا نے کہا تھا کہ آج میرے مہمان آئیں گے میرا جنازہ پڑھنے کے لئے، ان کی خدمت میں غفلت نہ ہو، اس لئے پہلے سے کھانا تیار کر کے رکھنا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، واہ رے واہ! ابوذر رضی اللہ عنہ زندہ بھی سخی اور مر کر بھی سخی۔

نوٹ: یہ قصہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا مختلف الفاظ سے اکثر تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔ (دیکھئے۔ سیر الصحابة. اسد الغابة. حياة الصحابة۔)

ایک عورت کا حسن انتخاب

حجاج کے دربار میں کیس آیا، تین آدمی تھے، ان کے قتل کا حکم دیا، ایک خاتون بھی ساتھ تھی، اس نے کہا چھوڑ دے، تیری بڑی مہربانی ہوگی۔

حجاج کہنے لگا، تینوں میں سے ایک چن لے (اس ایک کو چھوڑوں گا، باقی دو کو قتل کروں گا) ایک بیٹا تھا، ایک خاوند تھا، ایک بھائی تھا۔ عورت نے کہا، خاوند دوسرا بھی مل جائے گا، بچے اور بھی پیدا ہو جائیں گے، میرے ماں باپ مر گئے، بھائی اب کوئی نہیں ملے گا، میرا بھائی چھوڑ دے، باقی سب کو قتل کر دے۔

حجاج نے کہا، میں تیرے حسن انتخاب پر تینوں کو چھوڑتا ہوں۔ (اصلاحی واقعات، صفحہ ۱۳۴)

دو عورتوں کا عجیب واقعہ

ایک بزرگ ہیں، ان کا نام ہے ہاشم رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ کہتے ہیں میں سفر میں تھا تو میں ایک خیمے میں اُترا، مجھے بھوک لگی ہوئی تھی، اس خیمے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، میں نے کہا کہ بہن بھوک لگی ہے، کھانا مل جائے گا؟ کہنے لگی کہ میں مسافروں کے لئے کھانا پکانے

بیٹھی ہوں؟ جا اپنا راستہ لے۔ کہنے لگے کہ بھوک ایسی تھی کہ میں اُٹھ نہ سکا، میں نے سوچا کہ یہیں ستا کر چلا جاؤں گا۔ اتنے میں اس کا خاوند آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور کہا۔

مرحبا کون ہیں؟

کہا، میں مسافر ہوں۔

کھانا کھایا؟

نہیں کھایا۔

کیوں؟

مانگا تھا لیکن ملا نہیں۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا، ظالم تو نے اسے کھانا ہی نہ کھلایا، اس نے کہا کہ میں کوئی مسافروں کے لئے بیٹھی ہوں۔ مسافروں کو کھلا کھلا کر اپنا گھر خالی کرلوں۔

ایسی بداخلاقی میں خاوند نے بیوی سے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ کہا کہ اللہ تجھے ہدایت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین مرد وہ ہے جو بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اُنہوں نے کہا، اچھا تو اپنا گھر بھر لے، پھر اس نے بکری ذبح کی، اس کو کاٹا اور گوشت بنایا، پکایا، کھلایا، اور ساتھ ہی معذرت بھی کی اور ان کو روانہ کیا، چلتے چلتے آگے ایک جگہ پہنچے، اگلی منزل پر بھی ایک خیمہ آیا وہاں پڑاؤ ڈالا تو ایک خاتون بیٹھی تھی، کہا بہن مسافر ہوں کھانا مل جائے گا۔ اس نے کہا مرحبا، اللہ کی رحمت آ گئی، اللہ کی برکت آ گئی، اب میں آپ کو سچ بتاؤں۔ کسی زمانہ میں بوڑھیاں، دادیاں، کوئی مہمان آتا تو وہ خوش ہو کر کہتیں، اللہ کی برکت آ گئی، نوکرانیوں کو ہٹا کر خود کام کرنا شروع کر دیتیں۔ اور اب جب ساری سہولتیں ہیں اس وقت یہ کہتی ہیں کہ یہ بے وقت آ گیا، ان کو وقت کا احساس نہیں ہوتا اور آ جاتے ہیں۔ تو اس خاتون نے کہا ماشاء اللہ مہمان آ گیا، برکت آ گئی، جلدی سے بکری ذبح

کی، پکائی اور پکا کر اس کے سامنے رکھی تو اس پر اس کا خاوند آ گیا۔

اس نے کہا کون ہے تو؟

کہا جی میں مہمان ہوں۔

یہ انگوٹھی کہاں سے لی؟

جی آپ کی بیگم نے دی۔

تو اس نے اپنی بیگم پر چڑھائی کر دی۔ تجھے شرم نہیں آتی، مہمانوں کو کھلا کر میرا گھر خالی کر دے گی۔ تو ان کو ہنسی آ گئی، زور سے قہقہہ لگایا تو وہ کہنے لگا کیوں ہنستے ہو؟ کہنے لگے کہ پیچھے اس کا اُلٹا دیکھا تھا، کہنے لگا کہ جانتے بھی ہو وہ کون ہے۔ کہا کہ وہ میری بہن ہے یہ اُس کی بہن ہے۔ یعنی ایک بھائی بہن بخیل، ایک بھائی بہن سخی۔ اصلاحی واقعات، صفحہ ۱۳۵

ایک عورت نے دیوار کے ساتھ جوانی گزار دی

فروخ تابعین میں سے ہیں، بیوی حاملہ تھی، کہنے لگے اللہ کے راستہ میں جانے کی آواز لگ رہی ہے، چلا نہ جاؤں؟ بیوی کہنے لگی میں تو حاملہ ہوں، میرا کیا بنے گا؟ کہا تو اور تیرا حمل اللہ کے حوالے۔ ان کو تیس ہزار درہم دے کر گئے کہ یہ تو خرچہ رکھ اور میں اللہ کے راستے میں جاتا ہوں۔ کتنی خزائیں اور بہاریں آئیں اور کتنے دن صبح سے شام میں بدلے، شام ڈھل کر صبح میں بدلی، پر فروخ نہ آیا، دو، تین، چار، پانچ، دس، بیس، پچیس، ستائیس، اُنیس، تیس سال گزر گئے، ایک عورت نے دیوار کے ساتھ جوانی گزار دی۔ فروخ لوٹ کے نہ آیا، تیس سال گزر گئے، ایک دن ایک بڑے میاں مدینے کی گلیوں میں داخل ہوئے، پراگندہ شکستہ حال، بڑھاپے کے آثار اور اپنے گھوڑے پہ چلے آ رہے ہیں، تیس برس میں تو ایک نسل ختم ہو جاتی ہے، اب یہ پریشان ہیں کوئی مجھے پہچانے گا کہ نہیں پہچانے گا؟ وہ مر گئی یا زندہ ہے؟ کیا ہوا؟ کیا بنا؟ گھر وہی ہے کہ بدل گیا؟ انہیں پریشانیوں میں غلطاں و پیچاں

گھر کے دروازے پر پہنچے۔ پہچانا کہ وہی ہے۔ اندر جو داخل ہوئے تو گھوڑے کی آواز، اپنی آواز، ہتھیاروں کی آواز، بیٹا بیدار ہو گیا، دیکھا تو ایک بڑے میاں چاند کی چاندنی میں کھڑے ہوئے ہیں۔ تو ایک دم جھپٹے اور اس پر لپکے اور گریبان سے پکڑا، جان کے دشمن، تجھے شرم نہیں آئی؟ بڑھاپے میں مسلمان کے گھر میں بن اجازت داخل ہوئے ہو؟ ایک دم جھٹکا دیا، جھنجھوڑا، وہ ڈر سے گھبرا گئے، وہ سمجھے کہ شاید میں غلط گھر میں آ گیا ہوں، میرا گھر بک گیا، کوئی اور اس میں آ گیا، کہنے لگے بیٹا! معاف کرنا، غلطی ہوگئی، میں سمجھا میرا ہی گھر ہے، تو ان کو اور غصہ چڑھ آیا، کہنے لگے اچھا، ایک غلطی کی، اور اب گھر ہونے کا دعویٰ بھی، چلو، میں ابھی تجھے قاضی کے پاس لے چلتا ہوں، تیرے لئے وہ سزا تجویز کرے گا، اب وہ چڑھ رہے ہیں اور یہ دب رہے ہیں، ادھر بڑھاپا، اُدھر جوانی، ادھر سفروں نے مار دیا، ہڈیاں کھوکھلی ہوگئیں، اور پھر شک بھی ہے کہ پتہ نہیں میرا گھر ہے یا کسی اور کا؟ اسی کشمکش میں اوپر سے ماں کی آنکھ کھلی، اس نے کھڑکی سے دیکھا تو فروخ کا چہرہ بیوی کی طرف اور بیٹے کی پشت بیوی کی طرف، تو تیس سال کے دریچے کھل گئے، اور بڑھاپے کی جھڑیوں میں سے فروخ کا چمکتا چہرہ نظر آنے لگا اور اس کی ایک چیخ نکلی، اے ربیعہ! اور ربیعہ کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، یہ میری ماں کو کیا ہوا؟ دیکھا تو اوپر کھڑی ہوئی، اے ربیعہ!

کیا ہوا اماں؟

کون ہے؟

پتہ نہیں!

اے ظالم! باپ سے لڑ پڑا، تیرا باپ ہے، جس کے لئے تیری ماں کی جوانی گزر گئی، اور اس کی رات دن میں ڈھل گئی، بال جس کے چاندی بن گئے یہ وہ ہے، تیرا باپ! جس کے لئے میں نے ساری زندگی کاٹ دی۔ ربیعہ رو دیئے، معافی نامے ہو رہے ہیں، رات کارگزاری میں گزر گئی۔ فجر کی اذان پہ اُٹھے، کہنے لگے ربیعہ کہاں ہے؟ کہا وہ تو اذان سے

پہلے چلا جاتا ہے، یہ گئے تو نماز ہو چکی تھی۔ اپنی نماز پڑھی، روضۂ اطہر مسجد سے باہر ہوتا تھا، آ کے صلوۃ وسلام پڑھنے لگے، پڑھتے پڑھتے جو مسجد کی طرف نظر پڑی تو یوں مجمع بھرا پڑا اور ایک نوجوان حدیث پڑھا رہے ہیں، دور سے دیکھا، نظر کمزور تھی۔ پتہ نہ چلا کون ہے؟ ادھر ہی پیچھے بیٹھ گئے اور سننا شروع کر دیا۔ حدیث پاک کا درس ہو رہا ہے، جب فارغ ہوئے تو برابر والے سے کہنے لگا: بیٹا! یہ کون تھا جو درس دے رہا تھا؟

اس نے کہا، آپ جانتے نہیں، آپ مدینے کے نہیں ہیں؟

کہنے لگے، بیٹا میں مدینے کا ہوں، آیا بڑی دیر سے ہوں۔

کہا، یہ ربیعہ ہیں، مالک کے استاذ، سفیان ثوری کے استاذ، ابوحنیفہ کے استاذ، وہ اپنے جوش میں تھا، تو سنتے سنتے کہنے لگے، بیٹا! تو نے یہ تو نہیں بتایا، بیٹا کس کا ہے؟ کہا، اس کے باپ کا نام فروخ تھا، اللہ کے راستے میں چلا گیا۔

ان مشقت کی وادیوں میں اسلام نے سفر کیا ہے۔ (تاریخ بغداد، جلد ۸، صفحہ ۴۲۰)

منتخب اشعار

کہنے کو ایک ذرۂ ناچیز ہیں مگر
تعمیر کائنات کے کام آ رہے ہیں ہم

اس لئے آرزو ہے جینے کی
دیکھ لوں پھر زمین مدینے کی

ستارے ڈوبنا، شبنم کا رونا، شمع کا بجھنا
ہزاروں مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

کانوں کو گانے بجانے سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اللہ اسے سناتا ہے، جس کی آنکھوں نے حرام دیکھنا چھوڑا، جس کے کانوں نے حرام سننا چھوڑا، اللہ اس کو دنیا ہی میں دکھا دیتا ہے۔ اللہ پر ایمان لاؤ، سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کہہ رہا ہے میرے حکموں پر تجارت کرو، میں تمہاری تجارت کے منافع کی گارنٹی دیتا ہوں۔ کوئی شئے اپنی ذات میں کچھ نہیں۔ جو ہے میرے اللہ کا امر ہے۔ (اصلاحی واقعات، صفحہ ۵۲۶)

الحمدللہ یہ کتاب بکھرے موتی جلد پنجم (۵) مکۃ المکرّمہ حرم شریف میں رات کے وقت پونے ایک بجے (۱۲:۴۵) پوری ہوئی۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے۔ ۲۰/جون ۲۰۰۶ عیسوی بمطابق ۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ، بروز منگل

ایک قیمتی بات

حاکم وقت ایک دریا کی مانند ہے اور رعایا چھوٹی ندیاں، اگر دریا کا پانی میٹھا ہوگا تو ندیاں بھی میٹھا پانی دیں گی، اور اگر دریا کا پانی تلخ ہوگا تو لازماً ندیوں کا پانی بھی تلخ ہوگا۔

اللہ نے ایک موتی کو ہدایت دی

سید احمد شہیدؒ نے جب سکھوں کے خلاف جہاد کیا تھا تو دہلی کے کوٹھے پر ایک بہت مشہور رقاصہ تھی، موتی اس کا نام تھا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ عشار کی نماز پڑھ کر نکلے اور بازارِ حسن میں پہنچے اور موتی کے گھر پر دستک دی، وہاں سے ان کو خیرات دی جانے لگی، تو اُنہوں نے کہا فقیر پہلے صدا لگاتا ہے، پھر خیرات لیتا ہے، تم میری صدا سن لو۔ سب لوگ جمع ہو گئے تو قرآن کی آیات تلاوت کیں: والتین والزیتون ...الخ ''قسم ہے تین (انجیر) کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور پاک شہر کی۔ سب سے بہترین ہم نے انسان کو بنایا، پھر اسی کو ہم نے سب سے ذلیل بنا کر پیچھے بھی لوٹایا''۔ سب سے بہترین اور سب سے ذلیل کی تشریح بیان کرنی شروع کی تو موتی کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے اور ان آنسوؤں سے اس کی پچھلی زندگی کے سب داغ اللہ نے دھو دیئے اور اس نے توبہ کی اور کہا اب میں ساتھ جاؤں گی۔ اس کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کرایا اور پھر وہ مجاہدین کے لئے آٹا پیستی تھی، اور مجاہدین کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہوگئی۔ اس موتی کو کوٹھا کس نے چھڑایا؟ اللہ نے۔ وہ کون سی حلاوت تھی، لذت تھی، وہ قرآن کی حلاوت تھی، کاش ہم اس مٹھاس سے باخبر ہو جائیں۔ اللہ نور السموات والارض۔ اللہ ہی کا نور ہے کائنات میں۔ اللہ کی قسم، اللہ کہتا ہے کہ جو آنکھوں کے پردے حرام سے گرا لیتا ہے، اللہ اسے چپے چپے پر اپنا نور دکھاتا ہے۔ کائنات کا اک اک ذرہ اللہ کی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ اور اللہ کی قسم اللہ سناتا ہے اور جو اپنے

سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کوئی چیز منگوا کر اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دے گا، جس سے نیکیاں برائیوں سے بڑھ جائیں گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنے فضل ورحمت سے جنت میں لے جائے گا۔ (مسند احمد، تفسیر ابن کثیر، جلد۲، صفحہ۲۷۴)

خوشی کا دن سب سے زیادہ برا دن ثابت ہوا

یزید بن ملک اُموی خلیفہ گزرے ہیں، یہ نئے خلیفہ تھے، عمر بن عبدالعزیز کے بعد آئے تھے، ایک دن وہ کہنے لگے کہ کون کہتا ہے کہ بادشاہوں کو خوشیاں نصیب نہیں ہوتیں؟ میں آج کا دن خوشی کے ساتھ گزار کر دکھاؤں گا، اب میں دیکھتا ہوں کہ کون مجھے روکتا ہے؟ کہا آج کل بغاوت ہورہی ہے، یہ ہورہا ہے، وہ ہورہا ہے، تو مصیبت بنے گی، کہنے لگا، آج مجھے کوئی ملکی خبر نہ سنائی جائے، چاہے بڑی سے بڑی بغاوت ہوجائے، میں کوئی خبر سننا نہیں چاہتا، آج کا دن خوشی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اس کی بڑی خوبصورت لونڈی تھی، اس کے حسن وجمال کا کوئی مثل نہ تھا، اس کا نام حبابہ تھا، بیویوں سے زیادہ اسے پیار کرتا تھا، اس کو لے کر محل میں داخل ہوگیا، پھل آگئے، چیزیں آگئیں، مشروبات آگئے، آج کا دن امیر المومنین خوشی سے گزارنا چاہتے ہیں، آدھے سے بھی کم دن گزرا ہے، حبابہ کو گود میں لئے ہوئے ہے، اس کے ساتھ ہنسی مذاق کررہا ہے، اور اسے انگور کھلا رہا ہے، اپنے ہاتھ سے توڑ توڑ کر اس کو کھلا رہا ہے، ایک انگور کا دانہ لیا اور اس کے منہ میں ڈال دیا، وہ کسی بات پر ہنس پڑی تو وہ انگور کا دانا سیدھا اس کی سانس کی نالی میں جا کر اٹکا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی جان نکل گئی، جس دن کو وہ سب سے زیادہ خوشی کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا، اس کی زندگی کا ایسا بدترین دن بنا کہ دیوانہ ہوگیا، پاگل ہوگیا، تین دن تک اس کو دفن کرنے نہیں دیا، تو اس کا جسم گل گیا، سڑ گیا، زبردستی بنواُمیہ کے سرداروں نے اس کی میت کو چھینا اور دفن کیا، اور دو ہفتے کے بعد یہ دیوانگی میں مر گیا۔ (حیاۃ الحیوان)

عجب کیا؟ شان رحمت ڈھانپ لے میرے گناہوں کو
خطا کی ہے، مگر تیری عطا کو دیکھ کر کی ہے

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رات ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو، شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اے شمع! تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

چھپ گیا آفتاب، شام ہوئی
اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

راقم الحروف کو مندرجہ ذیل شعر نہایت پسند ہے۔ بقول شاعر:

کروں گا ناز قیامت تلک میں قسمت پر
بقیع میں جو مکمل قیام ہو جائے

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرا بندہ سچا ہے ــــ تیرا قرضہ میں ادا کروں گا

حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک قرض دار کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلا کر اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا کہ تو نے قرض کیوں لیا اور کیوں رقم ضائع کر دی؟ جس سے لوگوں کے حقوق برباد ہوئے وہ جواب دے گا کہ خدایا! تجھے خوب علم ہے میں نے نہ یہ رقم کھائی، نہ پی، اور نہ اُڑائی، بلکہ میرے ہاں سے مثلاً چوری ہوگئی یا آگ لگ گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا بندہ سچا ہے آج تیرے قرض کے ادا کرنے کا سب

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝

يَاحَيُّ حِيْنَ لَاحَيُّ فِيْ دَيْمُوْمَةِ مُلْكِهٖ وَبَقَائِهٖ يَاحَيُّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط سرکش جنات کے نام

بسم الله الرحمن الرحيم هذا كتاب من محمد رسول الله رب العالمين الى من يطرق الدار من العمار والزوار والسائحين الا طارقا يطرق بخير يا رحمن اما بعد فان لنا ولكم في الحق سعة فان تك عاشقا مولعا او فاجرا مقتحما او راعيا حقا مبطلا هذا كتاب الله ينطق علينا وعليكم بالحق انا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون اتركوا صاحب كتابي هذا وانطلقوا الى عبدة الاوثان والاصنام والى من يزعم ان مع الله الها آخر لا اله الا هو كل شيء هالك الا وجهه له الحكم واليه ترجعون تغلبون حم لا ينصرون حمعسق تفرق اعداء الله وبلغت حجة الله ولا حول ولا قوة الا بالله فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝ مَلِكِ النَّاسِ۝ اِلٰهِ النَّاسِ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۝

يا حفيظ
قال الله تعالى فالله خير حافظا وهو ارحم الراحمين
يا حفيظ
قال الله تعالى فالله خير حافظا وهو ارحم الراحمين

انشاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آرہی ہیں

بکھرے موتی

(حصہ ششم)

انتخاب و ترتیب:

حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری

مایوس کیوں کھڑا ہے
اللہ بہت بڑا ہے

انتخاب و ترتیب:

حضرت مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری